ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل اور عصر حاضر میں اس کے قابل عمل ہونے کے امکانات

مقالہ برائے **ایم فل شعبہ علومِ اسلامیہ**

مقالہ نگار

ضیاء الحق

ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر: 1817-Mphil-IS/F19

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جولائی 2023ء

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل اور عصر حاضر میں اس کے قابل عمل ہونے کے امکانات

مقالہ برائے **ایم فل شعبہ علومِ اسلامیہ**

مقالہ نگار

ضیاء الحق

ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر: 1817-Mphil-IS/F19

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جولائی 2023ء

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل اور عصر حاضر میں اس کے قابل عمل ہونے کے امکانات

مقالہ نگار: ضیاالحق

ایم فل: شعبہ علوم اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر: 1817-Mphil-IS/F19

اسلام آباد

نگران مقالہ: ڈاکٹر مظفر علی

لیکچرار

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نمل،

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف لینگویجز، اسلام آباد۔

سیشن: 2019-2023

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے۔ وہ مجموعی طور پر کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائینسز سے اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل اور عصر حاضر میں اس کے قابل عمل ہونے کے امکانات**

Doctor Israr Ahmed ka mujavza siyasi lahe amal aor asr e jazir mian is k kabil e amal onay k imkanaat

Dr. Israr Ahmed's proposed political strategy and its feasibility in contemporary times

نام ڈگری: ماسٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: **ضیاء الحق**

رجسٹریشن نمبر: 1817-Mphil-IS/F19

لیکچرار ڈاکٹر مظفر علی _____

(نگران مقالہ، شعبہ اسلامی فکر وثقافت) دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی _____

(صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت) دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان _____

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ: _____

انتساب(Dedication)

الحمد للہ۔۔۔ مقالہ نگار اپنی تحقیق کو اپنے محترم و مکرم والدین کے نام منسوب کرتا ہے، جنہوں نے اپنی زندگیوں کی اکثر و بیشتر صلاحیتیں اور اپنا مال و جان راقم کے بہتر مستقبل کے لیے وقف کیا، سرپرستی فرمائی اور ہمہ تن اپنی فکر و دعا میں یاد رکھا۔ جو اس مقالہ کی تکمیل کا اللہ کے احسان کے بعد سبب بنے۔ وماتوفیقی الّا باللہ

فہرست موضوعات

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
1	مقالہ کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptance Form)	3
2	حلف نامہ فارم(Candidate Declaration Form)	5
3	ملخص مقالہ(Abstract)	6
4	فہرست عنوانات(Table of Content)	7
5	اظہارِ تشکّر(Expression of Thanks)	9
6	انتساب(Dedication Form)	10
7	مقدمہ(Introduction)	11
8	باب اول: اسلامی نظام سیاست اور پاکستان کی سیاسی اقدار	17
9	فصل ۱: اسلامی اور بین الاقوامی نظام سیاست	17
10	مبحث ۱: نظریہ سیاست اور بین الاقوامی نظام سیاست	17
11	مبحث ۲: اسلامی سیاسی اقدار کے خدوخال	27
12	فصل ۲: پاکستان کی سیاسی منزلت اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل	39
13	مبحث ۱: قرارداد مقاصد اور پاکستان کی موجودہ سیاست	39
14	مبحث ۲: پاکستان کے سیاسی خدوخال اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل	49
15	مبحث ۳: پاکستان کے سیاسی حالات پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مجوزہ لائحہ عمل کا انطباق	65
16	باب ۲۔ پاکستان کا رائج نظام سیاست اور اصلاحی جوانب	71

17	فصل ا: پاکستان کی رائج سیاست اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی آراء	71
18	مبحث ا: پاکستان کی فکری بنیادیں اور نظریہ پاکستان	72
19	مبحث ۲: ڈاکٹر اسرار احمد کی سیاسی جدوجہد، مقاصد و محرکات	84
20	فصل ۲: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی مساعی اور مستقبل کے تعمیری امکانات	90
21	مبحث ا: پاکستان کی نظریاتی اساس اور استحکام	90
22	مبحث ۲: پاکستان میں مذہبی جماعتوں کے مابین رواداری اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ	97
23	مبحث ۳: پاکستان کا نظام سیاست اور مستقبل کے تعمیری امکانات	105
24	خلاصہ کلام	114
25	نتائجِ مقالہ	117
26	سفارشات	118
27	فہرستِ آیات	119
28	فہرستِ احادیث	121
29	مصادر و مراجع	122

اظہارِ تشکّر (Expression of Thanks)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خصوصی فضل و احسان اور توفیق ہے کہ اس نے بندہ ناچیز کو دین اسلام کے کسی کام کے ساتھ جوڑ دیا، اس پر اس کا بے حد و حساب شکر بندہ پر واجب ہے۔ بندہ نبی کریم ﷺ کا باحسان مند ہے کہ جن کی قربانیوں اور محنت سے دین اسلام کی روشنی سے عالم روشن ہوا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد والدین کا حق بندہ پر سب سے رفائق ہے جنھوں نے اپنی ذاتی ضروریات اور خواہشات کو تج کر کے پالا اور بہتر مستقبل کی کے لیے سہولیات میّسر کیں۔ اور بالخصوص میری والدہ محترمہ جو اپنی پیرانہ سالی میں بھی میری معاونت اور خصوصی دعائیں فرماتیں ہیں، جو یقیناً اللہ کے ہاں مقبول ہوتی ہیں۔ اس کے بعد اپنے محترم ماموں جان غلام مجتبٰی قریشی صاحب جن کی سرپرستی اور معاونت بالخصوص تعلیمی میدان ہمیشہ میرے شامل حال رہی، کا شکر گزار ہوں۔ اور اپنے اساتذہ کرام میں ڈاکٹر مظفر علی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہایت تحمل اور بردباری کے ساتھ بندہ کا مقالہ مکمل کروایا۔ ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ جناب پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ جن کی ذاتی شفقت اور یونیورسٹی میں مختلف کانفرنسز اور سیمینارز کے باعث جذبہء علم بیدار رہا اور کام میں بہت سہولت پیدا ہوئی۔ بعد ازاں مؤسس، اساتذہ و منتظمین ادارہ انجمن خدام القران کا شکریہ کے جن کے ذریعے علم دین کی روشنی سے منوّر ہوا۔ نمل یونیورسٹی کے تمام اساتذہ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے تحقیق اور علم دین کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ آخر میں تمام سٹاف کا بھی شکر گزار ہوں انہوں نے ہمیشہ اچھے اخلاق اور محبت کے ساتھ معاملات میں آسانی پیدا کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو دونوں جہانوں کی خیر عطا فرمائے۔ آمین

(ABSTRACT)

Title: Dr. Israr Ahmed's Proposed Political Strategy and Its Feasibility in Contemporary Times

Dr. Israr Ahmed was renowned Islamic scholar who primarily advocated for the promotion Islamic rule of law. He made significant contribution to the ongoing debate on the political strategy required to establish rule of Islam in Pakistan. Dr. Israr utilized Islamic concept of Khilafat as a model for Islamic governance. He described the mission of Prophet ﷺ and then delved into the methodology, which includes six theoretical phases. The first phase involves Revolutionary Ideology and it's preaching, followed by Organization in the second phase, and third phase focuses on the Training (تربیت) of discipline. The fourth phase Passive resistance means to hold and wait, fifth phase represents of revolution is Active resistance when the required figure of individuals come into the being. The active resistance inevitably leads to an Armed Conflict, which serves as the final phase of the revolution. Among these phases, the first four occur simultaneously, while the last two practically encompass the second phase.

According to Dr. Israr, in the context of evolving political systems, the reformist process in a Muslim state in the final phase should involve the launch of a non-violent, non-cooperative mass movement guided by individuals from the reformist party who meet specific criteria. Additionally, Dr. Israr Ahmed draws parallels between the strategy of the Prophet ﷺ and modern-day revolutionary movements, suggesting that the principles and methods employed by the Prophetﷺ can be applicable to contemporary social and political struggles. He also emphasizes the need for Muslims to break down barriers and divisions among different sects, ethnicities, and nationalities, and to work together towards a common goal. Overall, Doctor Israr Ahmed envisions a peaceful Islamic revolution rooted in the teachings of Islam, focusing on establishing an Islamic political, social, and economic system that ensures social justice in contemporary time. Protest as a mean of driving system change requires collective action and collaboration among diverse organizations.

Keywords: Islamic rule, Political change, Strategy in Pakistan, Methodology of Prophet ﷺ, disciplined workers, non- violent mass movement, Islamic political, social, economic system of justice.

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں **ضیاءالحق** ولد **ذوالفقاراحمد**

رولنمبر: MP-F19-540 رجسٹریشن نمبر: NUML-F19-36309

طالب، ایم فل علوم اسلامیہ، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل اور عصر حاضر میں اس کے قابل عمل ہونے کے امکانات**

Doctor Israr Ahmed ka mujavza siyasi lahe amal aor asr e jazir mian is k kabil e amal honay k imkanaat

Dr. Israr Ahmed's proposed political strategy and its feasibility in contemporary times

طالب، ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **لیکچرار ڈاکٹر مظفر علی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ ایچ ای سی اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد علمی سرقہ کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو لیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے/واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: **ضیاءالحق**

دستخط مقالہ نگار: _____

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

مقدمہ

موضوع کا تعارف:

البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازو ئے (عدل) بھی بھیجی تا کہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں، اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور تا کہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے، بے شک اللہ بڑا زور آور غالب ہے۔(الحدید: 25)

مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد عدل اجتماعی کا قیام تھا۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ختمِ نبوت دراصل تکمیلِ رسالت تھی جس کا عملی مظہر آپ ﷺ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ہے ۔ جس کی بنیاد پر امت مسلمہ ایک مستقل تہذیب کے طور پر پروان چڑھی۔ سیرتِ محمد ﷺ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت سابقہ انبیاء کی طرح نہ صرف دین کو قائم کرنا تھا بلکہ اِس کا آخری اور تکمیلی صورت میں بطور اسوہ عملاً نافذ کر کے دیکھا دینا بھی تھا۔ پھر یہی خلافت آپ ﷺ کے بعد کم و بیش 1200 سال تک قائم رہی۔ جس کا نمونہ پیش کرنے سے بقیہ نظامِ ہائے حکومت قاصر ہیں۔

گزشتہ صدی میں جب خلافت ختم ہوئی تو اُمت کا درد رکھنے والوں نے اِس ادارے کو دوبارہ قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ چنانچہ ہندوستان میں تحریک شہیدین، حزب اللہ، ریشمی رومال، مصر میں الاخوان المسلمون، سوڈان میں سنوسی تحریک اور بعد کے عرصہ میں جماعتِ اسلامی قائم ہوئی۔ جب اواخر بیسویں صدی میں تنظیمِ اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ واضح ہدف اور صحیح طریقہ کار یا لائحہ عمل کسی کامیاب عمل کے لوازم ہیں۔ تمام احیائی تحریکات اپنے ہدف اور مقصد نفاذِ شریعت کے اعتبار سے تو مشترک تھیں البتہ نفاذِ شریعت کے لیے تجویز کردہ طریقہ کار یا لائحہ عمل میں اختلاف تھا۔ یہی وجہ ہے جس کی بنا پر کسی ایک ملک میں نفاذ شریعت کی کوششیں جو کے مختلف جماعتوں نے کیں، کامیاب نہ ہو سکیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے سیاسی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جانچا جائے کہ ان جماعتوں کی کوششوں کا ایک مختصر جائزہ لیا جائے۔ بالخصوص پاکستان کے موجودہ سیاسی میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے تجویز کردہ لائحہ عمل کا جائزہ لیا جائے کہ یہ طریقہ کار کس حد تک آسان، قابل عمل اور شریعت کے بنیادی اصولوں سے قریب تر اور از روئے دستور پاکستان اس کے قابل عمل ہونے کے کیا امکانات ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا شمار دور جدید کے عظیم دینی سکالر میں ہوتا ہے۔ آپؒ کی خدماتِ دینی میں قرآن، اسلامی نظام خلافت کا قیام اور اقبال شناسی اہم حثیت رکھتی ہے۔ بالخصوص قرآنی تعلیم کو جدید دور سے ہم آہنگ یا یوں کہیے کہ جدید دور کے idiom میں بیان

کرنے میں اپنا مقام آپ رکھتے ہیں۔ آپ کی تقاریر فصاحت وبلاغت کی معراج اور تحاریر ادبیت، جامعیت اور حکمت کا مرقع قرار دیا جاسکتا ہے۔ تقریباً سو سے زائد تصانیف اور بے شمار تقاریر (آڈیو ویڈیو) آپ کا علمی ورثہ ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے بھی قابل قدر کام کیا ہے، ان کا یہ دعوی کہ سیاسی نظام کی تبدیلی کے لئے ان کا طریق سیرت النبی ﷺ سے ماخوذ ہے۔ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ ان کا پیش کردہ فلسفہ سیرت ﷺ دور جدید کے تقاضوں کے ہم آہنگ ہے۔ نہ صرف پاکستان بلکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی آپ کی دینی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

زیر نظر مقالہ میں ہم ڈاکٹر اسرارؒ کے لائحہ عمل برائے نفاذ شریعت از روئے دستور پاکستان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جیسا کہ مبشر و مفکر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ اور بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی قیام پاکستان کا مقصد و نظریہ لاالہ الا اللہ قرار دیا۔ جس کی توثیق و قانونی اعتبار سے تکمیل مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد میں ہوئی۔

موضوع کی ضرورت اور اہمیت:

سیاست وسیع تر تناظر میں انسانی زندگی کا ہر پہلو اور ہر (باشعور) شخص سیاست سے متعلق ہے۔ کیونکہ سیاسی نظریہ ہی اجتماعی زندگی کا رخ متعین کرتا ہے، جو بالآخر عروج یا زوال کا باعث بنتا ہے۔ پاکستان کی بقاء، سلامتی اور ترقی کا (عالم اسباب میں) دارومدار اِس کے سیاسی نظام کے استحکام ہی میں پنہاں ہے۔ مسلمان ہونے کے ناتے ہمارا پختہ یقین ہے کہ اسلام دنیا اور آخرت کی کامیابی کی واحد ضمانت ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دروسِ قرآنِ حکیم پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقے میں اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔ اُن کے سیاسی اور ملی زندگی کی اصلاح کے لیے کاوش اور سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے انکے افکار کیا تھے؟ آج کے تعلیم یافتہ نوجوان پر واضح ہوں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے حوالے سے جو کام ہوا ہے ان میں قرآن فہمی، اقبال شناسی اور اسلامی حکومت کا معاشی اور سیاسی نظام زیر بحث آیا ہے۔ جبکہ یہ نظام اثر و نفوذ کیسے ہوگا؟ اس پر کوئی مقالہ نہیں لکھا گیا۔ ہمارے پیش نظر ڈاکٹرؒ کا طریقہ کار یا منہج کہ جس کو وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے موثر سمجھتے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحبؒ کا مفصل کام موجود ہے اور کثیر تعداد میں آڈیوز وڈیوز دستیاب ہیں۔ اس مقالہ میں پاکستان کے استحکام کے لیے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے لئے مجوزہ سیاسی لائحہ عمل اور اس کے قابل عمل ہونے کے امکانات کا پاکستان کے معروضی حالات میں جائزہ لیا گیا ہے۔ مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے فہم قرآن و سیرت ﷺ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ پاکستان کی ترقی اور اس کے استحکام کے لیے، خلافت راشدہ کے اصول جدید دور ہم آہنگ ہیں، ثابت ہو۔

موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ:

یونیورسٹیز میں کام کے حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ پر کام کا آغاز ۲۰۱۰ کے بعد شروع ہوا، اس لئے کہ ان کی وفات اپریل ۲۰۱۰ میں واقع ہوئی۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی دینی خدمات کے جو کام اب تک ہوا ہے ان میں ڈاکٹر صاحبؒ کی قرآنی فکر، منہج و نظم قرآن، معاشی و سیاسی افکار اور ان کا نظریہء خلافت زیادہ توجہ کا مرکز رہا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی شخصیت اور اقبال فہمی پر بھی مقالات لکھے گئے ہیں۔ اور جو مقالات ابھی زیر تحقیق وہ بھی ان کی تفسیر قرآن کا تقابل اور نظریہ خلافت کے حوالے سے ہی ہیں۔

آرٹیکلز:

1. ڈاکٹر اسرار کا تصور دین و سیاست (تجزیاتی مطالعہ)
   ڈاکٹر غلام حیدر/فیصل محمود، تہذیب الافکار ۲۰۱۶، صفحات ۹۵-۱۱۰، والیم ۳ نمبر ۱۔
2. اسلامی ریاست میں معاشی نظام کا تصور: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے افکار کی روشنی میں
   مقالہ نگار: صاحبزادہ باز محمد، غلام جیلانی، دی اسلامک شریعہ اینڈ لاء، صفحات ۳-۲۶، ۲۰۱۹ والیم ۱ نمبر ۱۔
3. خلافت کی حقیقت اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نظریہ خلافت کا جائزہ
   مقالہ نگار: غلام حیدر، پاکستان جنرل آف اسلامک ریسرچ ۲۰۱۲، امورِ سیاست، نظریہ سیاست، والیم ۱۰، نمبر ۱۰۔
4. ANLAYTIC STUDY OF DR ISRAR AHMED'S ECNOMIC THOUGHT
   مقالہ نگار: غلام حیدر/ڈاکٹر اسرار احمد، علومِ اسلامیہ ۲۰۱۴، اقتصادیات، فکر اسلامی، شخصیات، صفحات ۱-۲۳، والیم ۱۹۔
5. ANLAYTIC STUDY OF DR ISRAR AHMED'S THOUGHT ABOUT REVOLUTION
   مقالہ نگار: غلام حیدر، پاکستان جنرل آف اسلامک ریسرچ ۲۰۱۴، ڈاکٹر اسرار احمد، فکرِ اسلامی، صفحات ۲۱-۲۹، والیم ۱۳، نمبر ۱۳۔

مقالات:

1. ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی مذہبی، سیاسی فکر کا تجزیاتی مطالعہ
   مقالہ نگار: سمیرا ربیعہ، نگرانِ کار: پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی، شعبہ علومِ اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ، صوبہ پنجاب، پاکستان، سیشن ۲۰۱۴ ۔۲۰۱۶، (تکمیل شدہ: ۲۰۱۷)

2. تنظیمِ اسلامی کی دینی اور علمی خدمات

مقالہ نگار: وقاص حسین، نگران: ڈاکٹر محمد سعد صدیقی، ادارہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۸

3. ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی دینی خدمات

مقالہ نگار: کلثوم اختر، نگران آصف نعیم، ادارہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان، ۲۰۱۱

4. احیائے خلافت سے مطلق اسلامی تحریکات کا تحلیلی مطالعہ، تحریک عظمت، تنظیمِ اسلامی، تنظیم الاخوان، حزب التحریر

مقالہ نگار: احمد سید راشد، نگران ڈاکٹر محمد سجاد، کلیہ عربی وعلومِ اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۰

تحقیقی خلاء:

مندرجہ بالا تحقیقات اور اس کے علاوہ میں تحقیقی کاموں میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور تنظیم اسلامی کے حوالے سے جو کام ہوا ہے ان میں قرآن فہمی، اقبال شناسی اور اسلامی حکومت کا معاشی اور سیاسی نظام زیر بحث آیا ہے۔ جبکہ یہ نظام رائج کیسے ہو گا؟ اس پر کوئی مقالہ نہیں لکھا گیا۔ پیش نظر مقالہ ڈاکٹر اسرارؒ کا طریقہ کار یا منہج کہ جس کو وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے موثر سمجھتے تھے کا اس نکتہ نظر سے جائزہ لینا کہ یہ لائحہ عمل پاکستان کے معروضی حالات میں قابل عمل ہے یا اس میں بہتری کی کوئی گنجائش ہے یا بالکل اس کا کوئی امکان نہیں۔ اس موضوع پر ڈاکٹر صاحبؒ کا مفصل کام ہے اور کثیر تعداد مین آڈیوز وڈیوز دستیاب ہیں۔ اس مقالہ میں تنظیم اسلامی کے طریقہ کار یعنی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا تجویز شدہ منہج انقلاب نبوی ﷺ کیا ہے۔ اساس واستحکام پاکستان ،امت کی وحدت، سیاسی نظام کی اصلاح کا دستوری اور آئینی طرز عمل بالآخر کیا ہونا چاہیے؟ اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ کسی بھی کامیاب عمل کہ پیچھے منزل اور طریقہ کار کا درست تعین کلیدی حثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی دینی خدمات کے پیش نظران کے سیاسی نظام کی اصلاح کا طریقہ کار بہر حال قابل تحقیق ہے۔

موضوع تحقیق کے بارے میں بنیادی سوالات:

1- قرارداد مقاصد کی رو سے پاکستان کے نظام سیاسی میں اصلاح کی ضرورت واہمیت کیا ہے اور اسلام کے اصول سیاست کیا ہیں؟

2- ڈاکٹر اسرار احمد کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل کیا ہے اور پاکستان میں اس کا انطباق کیسے ممکن ہے؟

3- استحکام اور نظریہ پاکستان کے تناظر میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا سیاسی اصلاح کے لیے بیان کردہ لائحہ کس قدر مطابقت رکھتا ہے؟

4- پاکستان میں اسلامی سیاسی اصلاحات کیوں ہونی چاہیں اور اس کے کیا امکانات ہیں؟

مقاصدِ تحقیق:

1- پاکستان میں سیاسی استحکام سے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف سے تجویز کردہ لائحہ عمل کا جائزہ لینا۔
2- پاکستان کے سیاسی پس منظر اور موجودہ سیاسی حالات میں اس بات کا تجزیہ کرنا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل کس حد تک قابل عمل ہے۔
3- قرارداد مقاصد کے حوالے سے ملک میں نفاذِ شریعت کے امکانات اور تحدیات کا احاطہ کرنا۔

اسلوب تحقیق:

1- مقالے کا بنیادی طور پر نظریاتی conceptual میں تجزیاتی Analytical اسلوب اپنایا گیا ہے اور قرآن و حدیث سے اسلامی اسالیب سیاست کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔
2- جدید ذرائع تحقیق، آن لائن مکتبات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
3- ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے لٹریچر اور اسلامی سیاسی فکر کے ماہرین سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔

ابواب وفصول کی تقسیم:

باب ۱۔اسلامی نظام سیاست اور پاکستان کی سیاسی اقدار

فصل ۱: اسلامی اور بین الاقوامی نظام سیاست

مبحث ۱: نظریہ سیاست اور بین الاقوامی نظام سیاست

مبحث ۲: اسلامی سیاسی اقدار کے خدوخال

فصل ۲: پاکستان کی سیاسی منزلت اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل

مبحث ۱: قرارداد مقاصد اور پاکستان کی موجودہ سیاست

مبحث ۲: پاکستان کے سیاسی خدوخال اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل

مبحث ۳: پاکستان کے سیاسی حالات پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مجوزہ لائحہ عمل کا انطباق

باب ۲۔پاکستان کا رائج نظام سیاست اور اصلاحی جوانب

فصل ۱: پاکستان کی رائج سیاست اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی آراء

مبحث ۱: پاکستان کی فکری بنیادیں اور نظریہ پاکستان

مبحث ۲: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی سیاسی جدوجہد، مقاصد و محرکات

فصل ۲: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی مساعی اور مستقبل کے تعمیری امکانات

مبحث ۱: پاکستان کی نظریاتی اساس اور استحکام

مبحث ۲: پاکستان میں مذہبی جماعتوں کے مابین رواداری اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مبحث ۳: پاکستان کا نظام سیاست اور مستقبل کے تعمیری امکانات

باب ا۔اسلامی نظام سیاست اور پاکستان کی سیاسی اقدار

1.1. فصل ا: اسلامی اور بین الاقومی نظام سیاست:

تاریخ انسانی کی سیاست میں دو عظیم حقیقتیں واضح طور پر نظر آتیں ہیں۔ان میں سے ایک مثبت اور ایک منفی ہے۔پہلی یعنی مثبت یہ کہ انسان اپنی انفرادی زندگی سے قبائلی زندگی، قبائلی زندگی سے معاشرے اور پھر معاشروں سے شہر اور شہر سے اپنی انتہائی صورت یعنی سلطنتوں کی صورت میں اپنے آپ کو ڈھالنے میں کامیاب ہوا۔ لیکن اگر منفی پہلو کی طرف دیکھا جائے تو عالم انسانیت اپنے سیاسی ارتقاء کے لیے بہت بڑے خون خرابے سے دوچار ہوئی ہے۔اس فصل میں انھیں دونوں حقائق کو زیر بحث لایا گیا ہے۔بنیادی طور پر اقتدار کا حصول انسانی جبلت کا حصہ ہے، اس کی مختلف وجوہات ہیں ان میں اہم وسائل کا حصول، قوم کی محبت، بادشاہوں کی ذاتی غلبے کی جستجو اور خواہشات بھی ہیں۔البتہ اسلام اس حوالے سے جس بنیادی نقطہ نظر کو واضح کرتا ہے وہ 'عدل اجتماعی'یعنی امن وامان کا قیام ہے۔اسی جذبہ اور بنیاد کے تحت اسلام کی سیاست اور قوانین کا اجراء ہوتا ہے۔ان مختلف فیہ نظریات کی بنیاد پر حصول اقتدار انسان کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔

1.1.1 مبحث ا: نظریہ سیاست اور بین الاقوامی نظام سیاست:

تاریخ اقوام عالم میں قبائلی نظام کتنا پرانا ہے! اس حوالے سے کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ کتب تاریخ مثلاً تاریخ ابن خلدون کی جلد اوّل کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جلد ہی انسان نے اجتماعیت کی ضرورت کو محسوس کیا جس کے نتیجے میں قبائل وجود میں آئے۔ان قبائل کا مرکز ان کے سردار ہوتے، جو عموماً ان کے بزرگ ہوا کرتے تھے۔جن کی اطاعت ہر ایک پر لازم وملزوم ہوتی اور یہی اطاعت آہستہ آہستہ روایات بن گئیں، اور ان روایات سے روگردانی کرنا گویا کہ اپنے آپ کو باغی قرار دلوانے کے مترادف ہوتا۔اس بنیاد پر انسان کو زبردستی کی اطاعت کرنے پر مجبور کیا جانے لگا۔اس اطاعت کے پر مجبور کرنے والے دو طبقات وجود عمل میں آئے۔ایک مذہبی پیشوایت اور دوسرا سیاسی رہنماؤں کے حقوق۔ کہیں ان دونوں طبقات نے مل کر تو کہیں ایک ہی طبقے نے دونوں سیادتیں اپنے اختیار میں کر لیں۔البتہ یہ بات بھی یقینی ہے کہ مرکزیت اور اجتماعی زندگی اور اس میں کسی ایک نظم کے تحت زندگی گزارنا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک بلکہ ناگزیر ہے۔ بصورت دیگر لازماً فساد برپا ہوتا ہے۔دراصل اسی ضرورت انسانی کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا اور بے لگام اختیار سے یا تو انسانیت کو غلام بنایا گیا یا ردعمل میں غلامی

سے آزادی کے لیے بغاوتیں بلکہ جنگیں ہوئیں۔ سیاست اور اس کے اختیارات کے حوالے سے مندرجہ ذیل میں چند بنیادی حقائق درج ذیل ہیں۔

1.1.1.1 لفظ 'سیاست' کی تحقیق:

لغةً: مصدر للفعل ساس، بمعنى قام بالأمر، والسائس الذين يدير أمور القوم ويرعاهم.[1]

لفظ سیاست کا مادہ 'س اس' ہے، اس کے معنی کوئی کام کرنے کے ہیں، اور سیاست دان قوم کے امور کا انتظام کرتا ہے اور ان کی دیکھ بال کرتا ہے۔

اصطلاحًا: القيام على الشيء بما يصلحه.

ایسی چیز کرنا جو اصلاح کرے۔

ما كان من الأفعال بحيث يكون الناسُ معه أقربَ إلى الصلاح وأبعد عن الفساد۔[2]

ایسے اقدامات کرنا جو انسانوں کی اصلاح سے قریب کرے اور فساد کو دور کرے۔

القانون الموضوع لرعاية الآداب والمصالح وانتظام الأحوال.[3]

اخلاقیات، مفادات اور حالات کی باقاعدگی کا خیال رکھنے کے لیے بنایا گیا قانون۔

السياسة هي فعل شيء من الحاكم لمصلحة يراها، وإن لم يرد بذلك الفعل دليلٌ جزئي.[4]

سیاست حکمران کا عمل ہے جو اپنے ماتحتوں کی مصلحت کے لئے ہوں، چاہے اس کے لئے اس کے پاس کوئی جزوی دلیل نہ ہو۔

جدید تحقیقات مطالعے میں سیاست کی تعریف کے ضمن میں ویرلے موڈنزے (Valeri Modenaze) اپنی ایک تحقیق میں رقم کی ہے:

"Politics is difficult to define because of the contradiction between the broad and the narrow conceptions of politics. Narrow conception of politics only politicians are involved in politics. In the popular mind politics is closely associated with politicians and the machinery of government… Most people are considered to be outside politics because they are not involved in decision-making process. Critics of the narrow view of politics define it in broader terms. They argue that politics

---

[1] الفيومي، أحمد بن محمد بن علي الفيومي (ت: 770 هـ/ 1368 م)، **المصباح المنير**، بيروت، المكتبة العلمية، ج 2 ، ص 295.

[2] النووي، يحيى بن شرف الحوراني النووي (ت: 676 هـ/ 1278 م)- **شرح صحيح مسلم (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج)**، بيروت، دار إحياء التراث، ط 2 ، 1392 هـ ، ج 12 ،ص 231 و مثل هذا مراجع كثيرا

[3] مقريزي، تقي الدين أحمد بن علي بن عبد القادر(ت: 845 هـ/ 1441 م)، **المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار**، بيروت، دار الكتب العلمية، ط 1 ، 1418 هـ، ج 3 ، ص 383

[4] ابن نجيم، زين الدين بن إبراهيم بن محمد (ت: 970 هـ/ 1563 م)، **البحر الرائق شرح كنز الدقائق**، دار الكتاب الإسلامي، ط 2 ،ج 5 ،ص 11

exists within and outside the of human existence.… Politics has been understood differently by different thinkers and within different traditions. In addition, the definition of politics changes as time passes and societies develop."[5]

ترجمہ: 'سیاست کی تعریف وسیع اور محدود معنوں میں کی جاتی ہے، اسی لیے اس کی کوئی ایک تعریف کرنا ممکن نہیں۔ محدود تصور کے اعتبار سے یہ کہا جاتا ہے کہ محض سیاست دان ہی اس میں شامل ہیں۔اور یہ کہ عموماً سیاست، سیاست دانوں اور نظم حکومت کو سنبھالنے والوں کو ہی سمجھا جاتا ہے۔ عام لوگوں کو سیاست باہر سمجھا جاتا ہے، کیونکہ وہ فیصلہ سازی میں شامل نہیں ہوتے۔ محدود تصور سیاست کے ناقدین سیاست کی وسیع معنی میں تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ سیاست انسان کی فطرت میں رچی بسی ہے۔ سیاسی مفکرین میں سیاست کی تعریف مختلف حالات وواقعات کے اعتبار سے مختلف کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں زمانے کے ساتھ ساتھ سیاست کی تعریف مین تبدل آتا رہا ہے۔'

اختلاف انسانی زندگی کا لازمہ ہے، جو اس کا حسن ہے اور ترقی کا زینہ بھی، یہی اختلاف سیاست کی راہ متعین کرتا ہے۔ ہر باشعور انسان اپنے ماحول یعنی پس منظر، حیثیت، طاقت، رائے اور مقصدیت کی بنیاد پر اختلاف رکھتا ہے۔ نقطہ ء نظر کا یہ اختلاف مختلف فیصلوں میں وسعت باعث بنتا ہے۔ مثال کے طور پر، وسائل کو بڑھانے کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کرنا۔

سیاست کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ کسی معاشرے کے عمومی اجتماعی چلن کا نام ہے، جس کے ذریعے سے سماج میں باہمی تعاون اور معاشرے کے مختلف مسائل کو قومی سطح پر حل کیا جاتا ہے۔ البتہ تفہیم کے لیے یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ سیاست میں دو قسم کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک محدود تصور اور دوسرا وسیع۔ محدود نقطہ نظر یہ کہ سیاست حکومت کے داخلی معاملات میں ہوتی ہے جو سیاستدانوں تک محدود ہے۔ مثلاً؛ سرکاری ادارے اور پارلیمان کے اختیارات و حدود وغیرہ۔ جبکہ وسیع تر تناظر میں انسانی زندگی کا ہر پہلو اور ہر (باشعور) شخص سیاست سے متعلق ہے۔ کیونکہ سیاسی نظریہ ہی اجتماعی زندگی کا رخ متعین کرتا ہے، جو بالآخر عروج یا زوال کا باعث بنتا ہے۔

1.1.1.2 بین الاقوامی نظام سیاست:

دنیائے جدید کا سیاسی منظر اور اس کے مستقبل کی باگ دوڑ ظاہری اعتبار سے United Nation (UN) اقوام متحدہ کے پاس ہے۔ دنیا اس وقت 193 ممالک کا پر مشتمل ہے جو کہ اقوام متحدہ کے ممبر ملک ہیں۔ ان کے علاوہ جیسے فلسطین اور ویٹیکن سٹی اقوام متحدہ کی فہرست میں شامل نہیں[6]۔ دراصل اس ادارے کو چلانے والے ویٹو (VETO) اختیارات رکھنے والے پانچ

---

[5] Valeri MODENADZE, **The Term Politics Reconsidered in the Light of Recent Theoretical developments**, IBSU Scientific Journal (IBSUSJ), International Black Sea University, Tbilisi, Vol. 4, 2010, pp39-44

[6] https://www.un.org/en/about-us#:~:text=The%20UN's%20Membership%20has%20grown,recommendation%20of%20the%20Security%20Council.

ممالک امریکہ، چین، روس، فرانس اور برطانیہ ہیں۔ دنیا جدید میں بسنے والے انسان اب اتنے ترقی یافتہ ہو چکے ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اب رسئے عرضی پر انسانوں کو کسی ایک نظام (جسے عصر حاضر میں نیو ورلڈ آرڈر New World Order) کہا گیا ہے) کے تحت رہنا ہو گا۔ یقیناً سائنسی ترقی بلکہ صحیح تر الفاظ میں مواصلاتی ٹیکنالوجی سے دنیا سمٹ کر ایک گاؤں جدید اصطلاح میں گلوبل ویلج (Global village) بن چکی ہے۔ البتہ اقوام عالم کی موجودہ سیاسی قیادت بالفاظ دیگر اس بے خدا زمینی بادشاہت کا سہرا امریکہ کے سر ہے۔ اقوام عالم پر اس وقت جس اصول یا عقیدے کی بنیاد پر سیاسی تسلط قائم رکھا ہوا ہے وہ نیشنل ازم ہے۔ یہی وہ سیاسی بنیاد ہے جس سے اقوام کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا (divide and rule) ممکن ہوا ہے۔

نو آبادیاتی دور کے بعد برطانوی حکمرانوں نے اپنے بنائے اصول یہ کہ مسلمانوں میں تفریق ڈال کر ان پر اپنی حکومت قائم رکھی جائے (divide and rule) کے تحت اس بات کو طے کیا کہ جب تک اقوام عالم ایک خاص تعصب کے ساتھ آپس میں الگ الگ رہیں گی، ان پر حکومت کرنا اور اپنے مقاصد کا حصول آسان ہو گا، اور اب تک بلاشبہ وہ اپنے اس کلیہ کے تحت کامیاب ہیں۔ دنیا میں تقسیم کی اصل بنیاد وطنیت ہے نہ کہ مذہب اور یہی ہر سیاسی نظام کی اصل مرکزیت ہیں۔ البتہ مذہبی جذبات کا سیاسی مقاصد کے لیے استعمال ہونا ایک الگ پالیسی ہے۔ کوئی ملک جمہوریت کا متوالہ ہو یا بادشاہی نظام کے تحت ہو، سب کے نزدیک وطنیت پہلا اصول اور سب سے اولین ہے۔ جس کی حفاظت، ترقی، عظمت اور بڑائی کو منوانا ہر سیاسی نظام کے چلانے والے افراد اور گروپوں کا یا جماعتوں کا بنیادی نظریہ ہے۔ نا صرف سیاسی جماعتیں بلکہ عوام الناس بھی اسی نظریے کے تحت زندگی رہے ہیں۔ زمانہ حال میں بالعموم جو نظام ہائے حکومت رائج ہیں، ان میں جمہوریت (Democracy) سر فہرست ہے، البتہ بادشاہت یا جدید اصطلاح میں ڈکٹیٹر شپ (Dictatorship)، تھیو کریسی (Theocracy)، ٹوٹل ٹیرین (Totalitarian Society) اور ریپبلک (Republican) مشہور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں سیاستدانوں اور عوام الناس دونوں کی دنیا کے مختلف ہیں۔ سیاستدانوں اور اہل حل و عقد کے پیش نظر اپنی آسائشات اور تحفظ ہے جبکہ عوام اپنے حقوق کا تحفظ چاہتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے مقابل اشتراکیت کا بنیادی فلسفہ تھا ہی اسی بنیاد پر کہ انسانی مساوات کو مادی سطح پر قائم کیا جائے۔

1.1.1.3 ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور بین الاقوامی سیاست:

ڈاکٹر اسرار صاحبؒ (۱۹۳۲تا۲۰۱۰)[7] نے بین الاقوامی سیاسی صورت حال کو بالعموم دو پہلوؤں سے دیکھا۔ ان میں سے ایک امت مسلمہ کا مستقبل اور دوسرے عالمی مغربی سیاست کے حوالے سے ان کے انقلابی نظریات وافکار ہیں۔ اسی طرح عالمی اور ملکی سیاسی صورتحال بھی ان کی توجہ کا مرکز رہیں۔ ان میں بالخصوص پاکستان اور اس کے جغرافیائی و نظریاتی حلیف و مخالفین، ان کے لیے خصوصی اہمیت کے حامل رہے۔

1.1.1.3.1 اُمت مسلمہ کا مستقبل:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب امت مسلمہ کے مستقبل کے حوالے سے پر امید تھے۔ آپؒ نے اُمت مسلمہ کے مستقبل کو بنی اسرائیل کی تاریخ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ وہ تاریخ بنی اسرائیل کے عروج وزوال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے پہلے عروج کا آغاز حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ اوّل یوشع بن نونؑ کی سرکردگی میں فلسطین فتح ہوا اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی حکومت میں اپنے عروج کو پہنچا۔ حضرت سلیمانؑ کی اس دنیا سے رحلت کے ساتھ ہی ان کے دور زوال شروع ہوا، یہ زوال اپنی انتہا کو تب پہنچا جب شمال سے آشوریوں اور مشرق یعنی عراق سے 587ق۔م میں بخت نصر Nebukadnezar کے حملے سے ہوا۔ اسی طرح دوسرا عروج فارس کے بادشاہ سائرس (کیخورس یا ذوالقرنین) سے نجات کے بعد حضرت عیسیٰؑ سے 450سال قبل حضرت عزیرؑ کی تجدیدی مساعی سے اس کا آغاز ہوا۔ یہ دور بھی پچھلے دور کی طرح 300سال تک قائم رہا۔ اس کا مظہر مکابی سلطنت تھی، جو تقریباً 170ق۔م سے لے کر 67 ق۔م تک نہایت شان و شوکت اور دباؤ سے قائم رہی۔ بنی اسرائیل کا دوسرا زوال رومی فاتح پومپئی کی یروشلم پر فتح سے ہوا۔ پھر اس پر مستزاد 70عیسوی میں ٹائٹس رومی نے ایک مرتبہ پھر شہر یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا، جو اب تک دوبارہ قائم نہ ہو سکا[8]۔ اس تاریخی وقوع کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ اپنی کتاب تنظیم

---

[7] ڈاکٹر صاحب 1932ء میں ہندوستان میں مشرقی پنجاب کے ایک قصبے حصار میں پیدا ہوئے اور 2010ء میں لاہور میں وفات پائی۔ ان کی تحریکی زندگی کے حوالے سے زیر نظر مقالہ میں مزید تفصیل صفحہ 84 پر، علاوہ ازیں انھوں نے اپنا تعارف ذاتی زندگی کے حوالے سے اپنے کتابچہ 'عزم تنظیم' اور معاشی زندگی کے حوالے سے ان کی تحریر 'حساب کم و بیش' میں درج کی گئی ہے۔

[8] عبدالرحمان ابن خلدون، **تاریخ ابن خلدون**، الجزء الثانی، دار الفکر، بیروت لبنان، 2000ء، ص 132-128, 114-109

اسلامی کا تاریخی پس منظر میں امت مسلمہ پر انطباق کیا ہے، جس کی دلیل وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان مبارک کے تحت بیان کرتے ہیں کہ :[9]

لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل [10]

ترجمہ: 'یقینا میری امت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وقوع پذیر ہوئے تھے، بالکل اسی طرح سے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوا کرتا ہے'۔

گویا امت مسلمہ کا عروج و زوال بھی بنی اسرائیل کے عروج اور زوال سے مطابقت رکھتا ہے۔ خلافت راشدہ سے امت محمدی ﷺ کا عروج اور 1258ء میں عباسی دور حکومت میں پہلا زوال، پھر ترکوں کے ہاتھوں دوبارہ چودھویں صدی عیسوی میں سلطنت عثمانیہ کا قیام امت کا دوسرا عروج جبکہ جب اس کا زوال بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہوا۔ ڈاکٹر صاحبؒ امت مسلمہ کے مستقبل کے حوالے سے اپنی تحریروں میں بہت پر امید دکھائی دیتے ہیں، کہ جس کی رسول ﷺ نے پیشن گوئیاں فرمائیں ہیں کہ بالآخر اس دنیا کے خاتمے سے پہلے پہلے اسلام کا کلمہ دوبارہ سربلند ہوگا اور زمین پر دین اسلام کا بول بالا ہوگا۔[11]

1.1.1.3.2 ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور انقلابی نظریات سیاست:

جہاں تک اقوام و عالم کے نظریات سیاست کی بات ہے ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس کے حوالے سے مارکسزم یا کمیونیزم کو بیان کرتے ہیں کہ مارکس نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس میں اسلامی اصول پنہاں ہیں لیکن اسلام نے اسے اخلاقی اور روحانی سطح پر برقرار رکھا ہے، قانونی سطح پر نہیں۔ بعین ہی مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ میں رقمطراز ہیں کہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا اصول ملکیت اسلام کے قانونِ ملکیت سے مماثلت رکھتا ہے یعنی قانونی سطح پر نافذ عمل ہے، نہ کے اسی طرح کا تصور ملکیت کے جس جائز و ناجائز کی کوئی حدود و قیود ہیں اور نہ ہی کمانے اور نہ خرچ کرنے میں حلت و حرمت کی محدودیت۔ مثلا یہ کہ جب کوئی مسلمان کوئی حلال کمائی کرتا ہے تو اس حوالے سے اس کا نظریہ ہوتا ہے کہ اس مال کا بالاصل مالک اللہ ہی ہے اور اس نے مجھے اپنے فضل سے یہ مال عنایت فرمایا ہے۔ اس پر اصل حق اللہ کا ہے البتہ میں اپنی ضروریات کے حوالے سے اس کو استعمال کر سکتا ہوں

---

[9] ڈاکٹر اسرار احمد، **سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری**، [شعبہ دعوت تنظیم اسلامی، مئی 2015]، ص 31-29

[10] عبداللہ بن عمرو، سنن الترمذی، کتاب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ، ح 2641

[11] ڈاکٹر اسرار احمدؒ، **تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر**، [ناظم واشاعت تنظیم اسلامی، جون 2005]، ص 24-16

اور یہ کہ اللہ نے میرے ذمے اس کمائی میں سے زکوۃ فرض اور اس پر مستزاد صدقات کا بھی حق رکھا ہے جو مجھے ادا کرنے ہوں گے۔اور یہی طرز عمل انبیاء اور صلحاء کا رہا ہے۔[12]

1.1.1.4 ڈاکٹر اسرار احمدؒ عصر حاضر کے عالمی سیاسی حالات:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ عصر حاضر کے عالمی سیاسی حالات کے تجزیاتی جائزہ میں اپنی کتاب 'موجودہ عالمی حالات پس منظر میں اسلام کا مستقبل' میں اقوام عالم کی سیاسی باگ دوڑ کی تین سطحیں بیان کرتے ہیں۔ پہلی سطح امریکہ کا سول سپریم پاور آف ارتھ (America the sole supreme power on Earth) ہونا، دوسری سطح اللہ کی بغاوت پر مبنی عالمی نظام اور تیسری سطح عالمی ترقی یافتہ یورپی ممالک کے درمیان مذہبی تصادم۔ان تینوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1.1.1.4.1 امریکہ کی سپر میسی:

پہلی سطح امریکہ کی سپر میسی کے ذیل میں ڈاکٹر صاحبؒ نے امریکہ کے حربی ذرائع اور قوت کو اس وقت کی اعلیٰ ترین قوت قرار دیا ہے۔اس کی توضیح میں افغانستان اور عراق کی مثال دی گئی جس امریکہ وہ اسلحہ استعمال کیا جس کا خیال بھی ہمارے لے ممکن نہیں۔امریکہ کے روّیہ پر وہ لکھتے ہیں کہ

'اس بنیاد پر امریکہ کا تکبر اس درجے بڑھ چکا ہے کہ مسلّمہ اصول عدل وانصاف تو ایک طرف، امریکہ کو اپنے اتحادیوں کا بھی لحاظ نہیں۔ جب اس نے عراق پر حملہ کیا یورپ کے اندر وسیع مظاہرے ہوئے اس کی کوئی اہمیت اس کے نزدیک نہیں تھی۔ (UNO) یو این او بھی اگر ساتھ نہ دے تو اسے پرواہ نہیں۔اسی غرور کے عوض اس نے ایک اور اصول واضح کیا، وہ یہ کہ (Pre-emptive strike) کسی ملک پر شک کی بنیاد پر حملہ کرنا۔اسی اصول کو افغانستان پر حملے کے حوالے سے کار عمل میں لایا گیا'۔[13]

1.1.1.4.2 اللہ سے بغاوت کا عالمی نظام:

دوسری سطح کو اللہ سے بغاوت کا عالمی نظام قرار دیا گیا۔لکھتے ہیں کہ اس کے پیچھے صدیوں کی محنت ہے، اس کا آغاز دو، تین صدیاں قبل یورپ میں ہوا وہ یہ ہے کہ پورا کرہ ارضی اس ایک حکم کے تحت آجائے کہ اس کی پہلی ضرب سیاسی سطح پر سیکولرازم کو رائج

---

[12] ڈاکٹر اسرار احمدؒ، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**، [ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2013، طبع ہفتم]، ص118- 116

[13] ڈاکٹر اسرار احمدؒ، **موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل**، [مکتبہ خدام القران لاہور، طبع چہارم، 2011]، ص7تا9

کرنا ہے۔ جس کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ انسان انفرادی سطح پر تو مذہبی طور پر اپنی مرضی کا مالک ہے۔ گویا کہ عقائد، رسومات اور عبادات کے اعتبار سے آزاد ہے۔ ایک خدا کو پوجے، کسی کو نہ پوجے، بہت سارے خداؤں یا جو رسوم چاہے ادا کرے، اس پر کوئی قدغن نہیں۔ البتہ اجتماعی معاملات مثلاً: ریاستی امور، عدالت، پارلیمنٹ، قانون سازی اور فیصلہ کا اختیار خدا کے حکم میں نہیں آتا۔ لوگوں کی اکثریت اس کا فیصلہ کرے گی۔ چاہے کوئی مذہب اس کی اجازت دے یا نہ دے۔ اسی بغاوت کی دوسری ضرب معاشی نظام کی ہے، جو بنیادی طور پر (Interest based Capitalism) یعنی سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام اور جس میں اصل قدر سرمایہ ہے نہ کہ لیبر یعنی محنت کش۔ گویا یہ ایک تکون ہے۔ اس کا ایک کونا بینک، دوسرا جوا اور تیسرا انشورنس قرار دیا ہے اور اس سرمایہ دارانہ نظام نے اس وقت پورے انسانی کرہ کو اپنی پکڑ میں لے لیا ہے، پوری دنیا میں سود کی بنیاد بینک سسٹم رائج ہے۔ اسی عالمی بغاوت کی تیسری ضرب معاشرتی نظام کے حوالے سے ڈاکٹر صاحبؒ تحریر کرتے ہیں کہ مغرب تو پوری طرح سے بے خدا تہذیب کو اپنے اندر سمو چکا ہے۔ لیکن مسلمانوں اور مشرق میں کچھ شرم و حیا اور خاندانی نظام باقی ہے۔ اس کے بنیادی اصولوں مادر پدر آزاد جنس پرستی، مرد و عورت میں کامل مساوات، گویا جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لیے جس سے چاہے (اس سے مراد ہم جنس پرستی ہے) اپنی جنسی خواہش کو پورا کریں۔ نہ مرد عورت کے نان نفقے کا ذمہ دار ہے نہ عورت مرد کی پابند، بغیر نکاح کے ساتھ رہیں، آزادی ہے، بس دونوں رضامند ہوں۔ زنا بالرضا کوئی جرم تصور ہی نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجے میں خاندان کا نظام تباہ و برباد ہو گیا۔ نتیجتاً والدین اولاد کی قانونی عمر پوری ہونے کے بعد اولاد کو گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اور والدین اپنی آخری عمر لاچارگی کے ساتھ اولڈ ہاؤسس بسر کرتے ہیں۔ البتہ ایشیا اور افریقہ کے کمتر طبقوں میں ابھی یہ نظام رائج نہیں۔ لیکن ہر ملک کی ایلیٹ کلاس (Elite Class) اس نظام کو اختیار کر چکی ہے۔ بے پردگی، فحاشی، عریانی راسخ ہو چکی ہے۔ 1993ء میں بہبود آبادی کانفرنس قاہرہ میں منعقد ہوئی۔ اس کا ایجنڈا یہی عورت کی آزادی تھا۔ پھر 1995ء میں کانفرنس بیجنگ میں ہوئی۔ ایسی کانفرنسوں کا مقصود یہ تھا کہ ایشیا اور افریقہ میں خاندانی نظام کے بچے کچے تقدس کو ختم کیا جائے۔[14] اس کے بعد جون 2000ء میں بیجنگ پلس فائیو کانفرنس یونائیٹڈ نیشنز کی جنرل اسمبلی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ اس میں جو فیصلے کیے گئے، سب سے پہلے نمبر پر یہ کہ طوائف خواتین کے پیشہ قابل احترام مانا جانا چاہیے۔ بقیہ پیشوں کی طرح یہ بھی ایک پیشہ ہے۔ دوسرے نمبر پر ہم جنس پرستی نارمل سمجھا جائے وغیرہ۔ اس کو سوشل انجینئرنگ (Social Engineering) کا نام دیا گیا۔ اس میں پوری دنیا کے نمایاں ترین اور اہم ترین ذمہ ادارے یعنی یونائیٹڈ نیشنز کی جنرل اسمبلی میں پاس کیا گیا قانون ہے، اور اس دستاویز پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے بھی دستخط ہیں۔ اسی بنیاد پر پاکستان میں عورتوں کو 33 فیصد نمائندگی یونین کونسل، صوبائی اسمبلیاں، سٹی گورنمنٹ، نیشنل پارلیمنٹ یا سینیٹ ہر جگہ دی گئی۔ جب کہ پوری دنیا کی جمہوریت میں ایسا نہیں ہے، بھارت میں بھی نہیں، جو

---

[14] ڈاکٹر اسرار احمدؒ، **موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل**، [مکتبہ خدام القرآن لاہور، طبع چہارم، 2011]، ص14

دنیا کا سب بڑا سیکولر ملک کہلاتا ہے اس میں بھی خواتین کے لیے کوئی خصوصی کوٹہ نہیں۔ ہمارے ملک میں این جی اوز کو خصوصی طور پر نیا تعلیمی نظام چلا رہی ہیں۔ جس میں عورت کو توجہ کا مرکز بنایا گیا۔ خلاصہ یہ کہ مذہب کے خلاف اتنی بڑی بغاوت آج تک نہیں ہوئی۔ اور اس وقت کل روئے عرضی پر شرم وحیا اور عصمت تار تار ہے۔ سود، جوا اور انشورنس کا نظام قائم ہے اور سیکولر نظام حکومت ہے۔ اور اس چوٹی پر امریکہ بیٹھا ہے،[15]

1.1.1.4.3 عالمی سیاست میں میں مذہب کا کردار:

تیسری سطح مذہبی تصادم کے بارے ڈاکٹر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ ذرا مخفی سطح ہے۔ دراصل یہود و نصاریٰ کی مذہبی چپقلش صدیوں پرانی ہے۔ رومن کیتھولک فرانس میں anti semetism کا یہودیوں کے خلاف غیض وغضب شدید ہے، ان کا دعوٰی یہ کہ ہمارے خدا کے بیٹے کو انہوں نے سولی چڑھایا، بے ہودہ الزامات لگائے۔ جبکہ یہود کی مذہبی کتاب تلمود میں یہ بات درج ہے کہ وہ اپنے علاوہ بقیہ ساری انسانیت کو حیوان سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے ان کا بینکنگ نظام یعنی ورلڈ بینک، آئی ایم ایف، وغیرہ برسرپیکار ہے۔ اس کے پیش نظر دنیا کو محنت کشوں میں تبدیل ہو جائے گی اور وہ کام کریں گے، اور ہم اپنا منافع سود کی شکل میں کھینچ لیں گے۔ مزید یہ کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے یہ پوری دنیا کے معاشی نظام کو کنٹرول کیا جائے۔ جیسے فائیو اور سیون اسٹار ہوٹلز، بڑے بڑے سپر اسٹورز چھوٹی دکاندار اور بزنس مین کی اب کوئی حیثیت اور کوئی کاروبار نہیں بچا۔ گلوبلائزیشن کے اس پہلو کے خلاف اگر دنیا میں کہیں کوئی رد عمل ہے، تو امریکہ اور یورپ میں ہے۔ ہم لوگ اس سے بے خبر ہیں، ہماری اور انسانی قسمت کے فیصلے کہاں اور کیا ہو رہے ہیں؟ گلوبلائزیشن کے نعرے کے تحت کبھی سی ایٹل (Seattle) ، تو کبھی ڈیووس (Davos)، اور کبھی واشنگٹن میں جمع ہوتے ہیں۔ دوسرا عظیم تر پروگرام گریٹر اسرائیل کو قیام کرنا ہے۔ عرب کے عین وسط میں ایک بڑی ریاست، گریٹر اسرائیل کے نام سے ریاست کی تشکیل کا منصوبہ جو ان علاقوں کو دوبارہ اپنے تسلط میں میں لانا جہاں پہلے یہود آباد رہے تھے۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ پروٹسٹنٹ جس کو امریکہ لیڈ کر رہا ہے، جو پہلے برطانیہ کے زیر اثر تھا۔ ان میں The Baptists اور ان میں بھی خاص طور پر The Evangelists عیسائی ہیں، جن کی امریکہ میں خاصی تعداد ہے، اسرائیل کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔ اور ان کے عقائد میں تیسری جنگ عظیم یعنی آرمیگاڈان کا باصورت ہونا ہے اور اس کے انتظار میں ہیں۔ کہ یہ جنگ جلد ہو جو گریٹر اسرائیل کو وجود میں لانے کا ذریعہ ہو گی وغیرہ وغیرہ۔ ان کے مطابق حضرت عیسٰیؑ کا دوبارہ نزول ہو گا۔ آپؑ پوری دنیا پر حکومت کریں گے۔ البتہ جہاں تک عام عیسائیوں کے مسلمانوں کے بارے میں سوچ ہے کہ اسلام کے ماننے والے دو طرح کے ہیں۔ ایک عقائد، عبادات یعنی نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور سماجی رسومات تک محدود، ان کے لیے عالم کفر نرم

---

[15] ایضاً، ص9تا20

گوشہ رکھتا ہے۔البتہ دوسرے قسم کے مسلمان وہ جو اسلام کو دین مانتے ہیں۔ گویا کہ یہ گروپ جو اسلام کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی سطح پر کو نافذ کرنے کے خواہاں ہیں۔ یہ ہیں وہ مسلمان جن کے ساتھ تمام تر کفر یکجا اور اکٹھا ہے۔اس نظریہ اسلام یعنی مسلمانوں کو ختم کرنے پر سب کا اتفاق ہے۔[16]

خلاصہ کلام میں ڈاکٹرؒ صاحب بیان کرتے ہیں کہ نوآبادیاتی دور کے بعد جب مسلم ریاستیں آزاد ہوئی تو مسلمانوں میں از سر نو خود شناسی پیدا ہوئی اور انہوں نے اسلام بطور مکمل دین یعنی نظام کے طور پر سمجھا۔لہٰذا احیاء اسلام کی تحریکیں وجود میں آئیں۔انڈونیشیا کے اندر مسجومی پارٹی، انڈو پاک میں جماعت اسلامی، ایران کی فدائین پارٹی، الاخوان المسلمون عرب میں تحریکیں برپا ہوئیں۔ سب کی سب تحریکات عالمی طاقتوں کے مقابلے میں ناکام ہوئیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ کہ ان سب تحریکات نے اسلام کے نفاذ کے لیے جو رستہ اختیار کیا، مثلاً الیکشن کے ذریعے یا مسلمانوں میں مسلح اقدام وغیرہ، جو درست نہ تھا۔ اصل میں اسوہ محمدی ﷺ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔[17]

خلاصہ مبحث:

مندرجہ بالا تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ

- تاریخ سیاست میں انسان آج سے ڈیڑھ سے دو ہزار سال قبل اپنے سیاسی نقطہ نظر کے حوالے سے بالغ ہو چکا تھا، مراد یہ کہ انسان یہ سمجھ چکا تھا کہ اس کو اپنی زندگی کو بھرپور انداز میں گزارنے کے لئے ایک مرکز یعنی ایک قیادت ضروری ہے۔ جس کے نتیجے میں بڑی بڑی سلطنتیں معرض وجود میں آتی رہیں۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کے یہ بڑی بڑی سلطنتیں انسانیت کو تربیت دینے، ادب سیکھانے اور انسان کے پورے حقوق دینے سے قاصر رہیں۔ نتیجتاً انسانیت بہت سی جنگوں میں تباہ ہوئی، جس کا لازمی اخلاقی ردّ عمل عدل اجتماعی متقاضی ہوا ہے۔
- قیام امن کے لیے اقوام متحدہ قائم کی گئی جو اب تک امن قائم نہ کر سکی۔اس لیے کے اس بنیاد میں انسانی مساوات نہیں ہے۔
- ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے فکر اسلامی میں اسلام اپنے دوسرے زوال کی انتہا پر ہے، البتہ اسکے بعد اسلام دوبارہ غالب ہو گا۔

---

[16] ایضاً ص 21تا32

[17] ایضاً ص 34تا35

- سیاست اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے ہر باشعور انسان کی زندگی کا لازمی پہلو ہے اور یہ زندگی کے ہر شعبہ پر اثرانداز ہوتی ہے۔
- ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے فکر سیاسی کے مطابق امریکہ اس وقت دنیا کا حکمران ہے، جو کسی اقوام متحدہ کا پابند بھی نہیں۔ اس کا معاشی نظام سرمایہ داری اور معاشرتی نظام مادر پدر آزاد جنسی بے راہ روی پر مبنی ہے۔
- بہر حال انسان اب سیاسی طور پر ایک قدم ضرور آگے بڑھا ہے۔ انسانیت بے لگام بادشاہتوں کو ردّ کر کے جمہوریت کی طرف آئی ہے۔ جمہوریت اپنے ظاہر کے اعتبار سے بہت خوبصورت ہے۔ لیکن انسان کی نظریاتی کجی اس کی سیاسی فکر میں بھی عود آئی۔ نتیجتاً جمہوری طرز بادشاہت قائم ہو گئی۔ اس کا حل یہ ہے کہ انسان اوّلا یہ بات سمجھے کہ اللہ اس کا حاکم اور بقیہ تمام انسان مخلوق ہیں، اس بنا پر یہ بات واضح ہو جائے کہ کسی فرد، خاندان یا معاشرے کے کوئی زائد یا خصوصی حقوق نہیں۔
- انسان اپنے مقصد تخلیق کو سمجھے، مقصدیت انسان کی نا صرف سیاسی زندگی بلکہ اس کی کل زندگی پر اثرانداز ہوتی ہے۔

1.1.2 مبحث ۲: اسلامی سیاسی اقدار کے خدوخال:

اسلام کی بنیادی دعوت اور فلسفہ دین 'توحید' ہے۔ جو ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے، جس کے تمام انبیاء کرامؑ داعی تھے۔ اس حوالے سے اسلام کی کامل تعلیم اور تکمیل محمد عربی ﷺ پر ہوئی جو کہ رحمت اللعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ خالق کائنات نے جس نظام زندگی کو اپنی اطاعت و فرمابرداری کے لیے مخصوص اور پسند فرمایا اس کو اسلام کے نام سے موسوم فرمایا، جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔ اسی کو معیار بنا کر اس مبحث کا آغاز کیا گیا ہے۔

انسانوں کی زندگی میں مذہب کا بہت گہرا اثر و نفوذ ہوتا ہے۔ اس مبحث میں اسلام کی سیاسی اقدار کا بیان مطلوب ہے۔ بالعموم جتنے بھی مذاہب اس وقت کرہ ارض پر ہیں، اپنی مذہبی کتب کو مافوق الانسانی قرار دیتے ہیں۔ اس میں الہامی مذاہب کے علاوہ فلسفیانہ مذاہب مثلاً ہندومت، بدھ مت وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان مذاہب میں سیاسی جہت یا قوانین کے حوالے سے رہنمائی بہت کم ملتی ہے۔ مولٰنا سید ابو الحسن علی ندویؒ اسی ضمن میں لکھتے ہیں کہ

'دنیا کے مذاہب نے معاملات کو اپنی تعلیم کا حصہ بنانے میں مختلف رجحانات ظاہر کئے ہیں، تورات میں وہ مذہبی قوانین کا ضروری اور اہم جزو ہے، لیکن عیسائیت نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ہندوستانی مذہبوں میں یہ دونوں قسمیں نظر آتی ہیں، عام ہندوؤں میں منوشاستر اور اس کی مختلف تشریحیں انہی معاملات کی شاخیں ہیں، مگر شاید بدھ مت نے اخلاق ہی کو بڑھا کر قانون بنانے کی کوشش کی ہے تاہم یہ سب قومیں اپنے قانون کا ماخذ علم الٰہی اور علم مافوق انسانی کو قرار دیتی ہیں۔'[18]

البتہ مغربی دنیا میں عقل انسانی کو قانون ساز قرار دیا گیا ہے۔ اس فلسفے کے نتیجے میں دو قسم کے نظام ہائے سیاست وجود میں آتے ہیں بادشاہت یا جمہوریت، اور موجودہ دنیا میں جمہوریت کا طوطی بولتا ہے۔ اور اس عقل محض نے فیصلہ یہ کیا کہ فیصلہ ساز یا بالفاظ دیگر حاکم، افراد کی کثرت ہو گی، گویا جو افراد کی کثرت کی رائے ہو، وہی بات قانون بنا دی جائے گی۔ اس کے مقابل اسلام میں کوئی بھی قانون قرآن و سنت سے متصادم نہیں ہو سکتا اور یہ مسلمانوں کا متفقہ اصول ہے۔ یہی اسلامی نظام سیاست کی پہلی اور بنیادی قدر ہے۔

[18] علامہ شبلی نعمانیؒ/سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، ادارہ اسلامیات پبلشرز، ستمبر 2002ء، طبع دوم، ج ہفتم، ص 734

1.1.2.1 اسلامی سیاسی اقدار قرآن وسنت کی روشنی میں:

دین اسلام کی بنیاد اور اساس قرآن اور احادیث رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ ذیل میں ہم اسلامی سیاسی اقدار کے چیدہ چیدہ خدوخال آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی ﷺ، سیرت صحابہؓ اور تامل امت کے حوالے سے جائزہ لیں گے۔

اسلام کی بنیادی اور معروف صفات میں سے اس کا فطری، سادہ اور اپنے قوانین کے اعتبار سے اٹل ہونا، ایک حقیقت ہے۔ اسلام بطور دین حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر خاتم النبیین محمد عربی ﷺ تک اور تاحال مسلّمہ عقائد واصولوں پر مبنی ہے۔ البتہ انبیاء کرامؑ کی شرائع میں تبدل ہوتا رہا، تاآنکہ محمد ﷺ کو آخری پیغام رسالت دے مبعوث کیا گیا۔ اب شریعت محمدی ﷺ اسلام کی آخری، ابدی اور اٹل شریعت ہے۔ اسلام اس اعتبار سے جدید اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے، اس میں اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا گیا ہے۔ یوں اسلام کی جدید افکار و نظریات، انفرادی واجتماعی جہات زندگانی سے ہم آہنگ بھی اور قابل عمل اور مؤثر بھی۔ اسلام فروعات میں وسعت رکھتا ہے اور بہتر سے بہتر (Upgraded) رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

1.1.2.1.1 اسلامی نظام سیاست کی پہلی قدر؛ حاکم واختیار کل اللہ کا اور انسان خلیفہ:

سیاسیات اسلام میں سب سے پہلی اور اساسی قدر اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا اور انسانی تخلیق حضرت آدمؑ و بنی نوع آدم کو مقام (Status) خلافت ارضی بتایا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (30)[19]

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں، فرشتوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں، فرمایا میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔[20]

حکومت مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں حاکمیت کُلی اللہ عزوجل کے بیان واعلان کے ساتھ اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس انعام سے اللہ رب العزت جسے چاہے اس میں سے عطا کرتا ہے:

---

[19] البقرۃ:30

[20] احمد علی، قرآن عزیز، انجمن خدام الدین دروازہ، شیرانوالہ، لاہور، ۱۹۹۹ء

'اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (26)'[21]

تو کہہ اے اللہ، بادشاہی کے مالک! جسے تو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے، جسے تو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے تو چاہے ذلیل کرتا ہے، سب خوبی تیرے ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

1.1.2.1.2 انبیاءؑ کا مقصد بعثت عدل وانصاف کا قیام:

قرآن مجید میں تمام انبیاء کرامؑ کا بنیادی اور اساسی مقصد بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کے درمیان عدل وانصاف کو قائم کریں۔ یقینا عدالت اور انصاف بغیر کسی سیاسی قوت کے ممکن نہیں۔ گویا اسلام کے اجتماعی نظام کا مرکزی نکتہ (Catch word) عدل و قسط کو قائم کرنا ہے۔ ذیل میں آیت مبارکہ واضح طور پر میں اسلام میں سیاست کی اہمیت اور مقصد دونوں کو ثابت کرتی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (25)[22]

البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازوئے (عدل) بھی بھیجی تاکہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں، اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے، بے شک اللہ بڑا زور آور غالب ہے۔

بعینہ آپ ﷺ کا مقصد بعثت کا بیان قرآن مجید میں تین مرتبہ بایں الفاظ آیا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ [23]

اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔

اس غلبہ دین کا مقصد بھی عدل کا قیام ہی تھا۔ جیسا کہ سورۃ الشّوریٰ ایت نمبر ۱۵ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ[24]

اور کہہ دو کہ میں اس پر یقین لایا ہوں جو اللہ نے کتاب نازل کی ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

---

[21] ال عمران:26

[22] الحدید:25

[23] التوبہ:33، الفتح:28، الصف:9

[24] الشّوریٰ:15

اسی کے تسلسل میں خلیفۃ اللہ کے لیے عدل کے قیام و نفاذ کا لازمی تقاضا حضرت داؤدؑ کی خلافت کے وساطت سے بیان کیا گیا ہے:

يَا دَاوُوْدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (26)[25]

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں بادشاہ بنایا ہے پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹادے گی، بے شک جو اللہ کی راہ سے گمراہ ہوتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے ہیں۔

سورۃ الرحمٰن کی آیات میں بھی اسی کا تذکرہ ذیل الفاظ میں فرمایا گیا۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (8) وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (9)[26]

تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔ اور انصاف سے تولو اور تول نہ گھٹاؤ۔

مندرجہ بالا آیات کا مفہوم لین دین میں کمی بیشی نہ کرنے کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہ نظام عدل قائم کرنے کا حکم بھی ہے۔ ہم اگر ناپ تول کے مفہوم کو بھی لیں تب بھی، اس پر اللہ نے بڑی واضح طور پر احکامات دیے ہیں۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ جس نے یہ ساری کائنات اتنی متوازن بنائی ہو، انتہائی لطیف نکتہ وہ توازن و اعتدال یعنی عدل اسے پسند ہے اور اسی کا حکم ہے۔ یہی اس کی فطری و تکوینی سنت بھی ہے اور یہی اس کا تشریعی حکم بھی۔

1.1.2.1.3 اخلاقی تعلیمات سیاست، صبر اور شکر، غلبہ سیاسی کا باعث:

صبر اور شکر اسلامی نظام کی اہم صفات ہیں، سورۃ الاعراف میں اللہ سبحانہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کا ایک قول نقل فرماتے ہیں، جب بنی اسرائیل فرعون کے ظلم و زیادتی سے انتہائی غمزدہ و اضطراب کی حالت میں تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے ذریعے ان کو تسلی دی کے وہ لوگ اللہ سے مدد طلب کریں اور صبر کی روش اختیار کریں، یہ اللہ کی زمین ہے وہ جسے چاہتا ہے اس میں بادشاہی دیتا ہے۔ پھر آیت نمبر 137 میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونے کا بیان فرمایا اللہ عزوجلؑ نے بنی اسرائیل کی محکومی کے باوجود، صبر کہ باعث ان کو غلبہ دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اہل ایمان کو دنیوی نعمت کی عطا کا بیان ہے:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (128)[27]

---

[25] ص:26

[26] الرحمٰن:8-9

[27] الاعراف:128

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے، اور انجام بخیر پرہیز گاروں کا ہی ہوتا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (137) [28]

اور ہم نے ان لوگوں کو وارث کر دیا جو اس زمین کے مشرق و مغرب میں کمزور سمجھے جاتے تھے کہ جس میں ہم نے برکت رکھی ہے، اور تیرے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے باعث پورا ہو گیا، اور ہم نے تباہ کر دیا جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے بنایا تھا اور جو اونچی عمارتیں وہ بناتے تھے۔

ذیل میں اہل ایمان سے حکومت ملنے کا وعدہ کا بیان کیا گیا ہے اور ناشکری کی ممانعت فرمائی گئی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (55) [29]

اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی، اور ان کے لیے جس دین کو پسند کیا ہے اسے ضرور مستحکم کر دے گا اور البتہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور جو اس کے بعد ناشکری کرے وہی فاسق ہوں گے۔

1.1.2.1.4 مقاصد ریاست؛ اقامت نماز و زکوۃ کی ساتھ نیکی و بھلائی کا حکم اور منکرات و برائی سے روکنے کی تاکید:

مقاصد اسلامی ریاست و سیاست کی مزید وضاحت میں نیچے دی گئی آیت شریفہ میں قیام نماز و زکوۃ کی ساتھ نیکی و بھلائی کا حکم اور منکرات و برائی سے روکنے کی تاکید، اسلام کی تعلیمات کا بیّن ثبوت اس بات میں ہے کہ اسلام مساوات و معروف کا حکم ریاستی اور انفرادی سطح پر دیتا ہے، جو کسی صحت منداور پُر امن معاشرے کی روح رواں ہوتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (41)[30]

---

[28] الاعراف: 137

[29] النور: 55

[30] الحج: 41

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں، اور ہر کام کا انجام تو اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔

1.1.2.1.5 ریاست وسیاسیات اسلامیہ کا نظم وضبط، امیر ومامورین کے حقوق وفرائض:

ذیل میں حدیث مبارکہ میں اسلام کی ایک اور قدر کا بیان ہے۔ ریاستی امور میں رعایا کے لیے امیر کی اطاعت اور امیر کے لیے رعایا کے ساتھ عدل اور مساوات کا حکم دیا گیا ہے، اسلام کے مطابق ہر ایک اپنی حثیت کے اعتبار سے ذمہ دار ہے۔

أَبَا حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمْ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ[31]

ترجمہ: حضرت ابو حازمؒ (انھیں سلمان اشجعیؒ بھی کہا جاتا ہے) سے روایت ہے کہ میں پانچ سال حضرت ابو ہریرہؓ کی محفل میں بیٹھتا رہا ہوں، میں نے ان سے نبی رحمت ﷺ کی یہ حدیث سنی: کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بنی اسرائیل کی حکومت حضرات انبیاء کرامؑ چلایا کرتے تھے اور ان کے معاملات کا انتظام کرتے تھے۔ جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا تو اس کے بعد دوسرا نبی جانشین کے طور پر آ جاتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی تو نہیں ہو گا، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ بھی کثرت سے ہوں گے۔'' صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے عرض گزار ہوئے: اس موقع کے لیے آپ ﷺ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی خلیفہ بن جائے۔ (اور تم لوگوں نے اس سے بیعت کر لی ہو) تو اس سے کی ہوئی بیعت پوری کرو۔ پھر اس کے بعد جو پہلے ہو اس کی بیعت پوری کرو۔ انھیں ان کا حق دو۔ اگر وہ ظلم کریں گے تو اللہ ان سے پوچھے گا کہ انھوں نے اپنی رعایا کا حق کیسے ادا کیا؟

1.1.2.2 تاریخ اسلامی میں سیاسی اقدار کا عملی نمونہ:

الفضل ما شهدت به الاعداء[32]

ترجمہ: کمال تو شخص کا ہے کی تعریف اس کے دشمن کریں۔

اسلامی تاریخ اتنی تاب ناک ہے کہ کوئی بھی حقیقت پسند اور ایماندار محقق اس کی عظمت کا انکار نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ پروفیسر ارشد صاحب اپنی کتاب مسلمانوں کا ہزار سالہ عروج میں مغربی فلسفی و مورخ ول ڈیورنٹ (Will Durant) (۱۹۳۵تا ۱۹۷۵) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اسلامی تہذیب کا عروج و زوال تاریخ کے نہایت اہم مظاہر میں سے ایک ہے۔ ساتویں عیسوی صدی سے لے کر بارویں عیسوی صدی تک 5 صدیوں کے دوران اسلام نے طاقت، نظام حکومت، انداز و اطوار کی

---

[31] امام بخاری، عبد اللہ محمد چن اسماعیل البخاری الجعفیؒ، **الجامع الصحیح**، (ریاض: دار السلام ۱۴۱۲ھ)، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ح3455

[32] ابو البقاء عبد اللہ بن الحسین بن عبد اللہ العکبری البغدادی محب الدین (م:616ھ)، شرح دیوان المنتبی، (دار المعرفۃ، بیروت)، ج3، ص355

شائستگی، معیار زندگی، انسانیت پسندانہ قانون سازی اور مذہبی بردباری، علم وادب، طب، سائنس اور فلسفہ میں پوری دنیا کی سیادت اور قیادت کی ہے۔[33]

اسلام کا سورج ساتویں صدی عیسوی میں عرب میں طلوع ہوا اور بیسویں صدی عیسوی کہ اوائل تک قریباً آدھی دنیا سے زائد حصے پر اپنی آب وتاب سے چمکتا رہا۔ اس سے قبل کہ اس کی کچھ تفصیل بیان کی جائے یہ بات بھی اہمیت سے خالی نہیں کہ خالق کائنات اللہ تعالی نے اپنے رسول محمد عربی ﷺ کو جس دین سے نوازا گیا ہے اس کی انفرادیت اور کمال یہ ہے کہ دین اسلام زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں رہنمائی عطا کرتا ہے، چاہے وہ عبادات ہوں یا اخلاقیات، معاشرت ہو یا معیشت، سیاست ہو یا عدالت، جنگ ہو یا امن۔ اسلام کی انھیں ہمہ گیر اور متوازن فطری تعلیمات نے لوگوں کو متاثر کیا، جس کی بنیاد پر اسلام نہ صرف سیاسی سطح پر ہزار سال سے زائد عرصہ تک دنیا میں ایک عظیم الشان قوت واقتدار میں رہا۔ بلکہ اس کی روحانی اور اخلاقی تربیت نے عالم انسانیت کے قلب میں سرایت کیا، جس کا عملی مظہر یہ ہے کہ باوجود اسلام کی سیاسی ابتری کے اب بھی کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کا دوسرا بڑا مذہب اسلام ہے۔ جواب بھی تیزی سے پھیل رہا ہے۔

عہد رسالت مآب ﷺ کیے آخری قریبا 23 برس، فروری 610ء تا 632ء میں تاریخ انسانی میں جس درجے تبدّل واقع ہوا، یہ فقید المثال ہے۔ خاتم النبیین محمد عربی ﷺ مکہ میں اظہار نبوت کے بعد تقریبا تیرہ برس رہے۔ اس عرصہ میں بالفاظ قرآنی:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۔وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ [34]

ترجمہ: ہم نے انہیں رسول بنایا، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر رہ نہ جائے، اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔

آپ ﷺ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔ نتیجتاً تقریبا 13 سال کے طویل عرصے میں ایک سو پچاس کے لگ بھگ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ بظاہر یہ تعداد بہت کم تھی، جس کی دو بڑی وجوہات سمجھ آتی ہیں۔ ایک یہ کہ بالعموم انسان اپنے ماحول کے مطابق رہتا ہے، گویا کہ اگر ماحول کسی کے لئے سازگار ہو یعنی روایت اور رواج میں عام لوگ جس پر عامل ہوں، وہی کام کرنا بالعموم آسان اور بلا دلیل مقبول ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس کی دوسری بلکہ اہم تر اور سب سے بڑی وجہ (اس وقت کے) حکمرانوں کی مخالفت ہے، کسی قوم کے بڑے جس بات کو بھی قبول کرلیں، عوام اس ہی کی پیروی کی جاتی ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ ان کا وہ نظریہ یا مدعا درست ہے یا نہیں۔ رسالت مآب ﷺ کو اس طبقے کی طرف سے شدید مخالفت، طنز وتشدد سے لے مخالفت کی انتہائی سطح جنگ وجدال کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی حد یہ تھی کہ مکی سرداروں نے متفقہ طور پر آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ)

---

[33] ارشد جاوید، **مسلمانوں کا ہزار سالہ عروج**، (شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ، لاہور۔ طبع اول)، نومبر 2010، ص 14

[34] النسا: 165

کے قتل کا منصوبہ طے کر لیا۔ جس پر نبی کریم ﷺ کو اللہ کی طرف سے، آپ ﷺ کے صحابہؓ سمیت مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا، یہ واقعہ ماہ ربیع الاول، ۱۳ نبوت (622ء) کا ہے۔[35]

اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ میں تقریباً دس سال سے کچھ زائد عرصہ رہے۔ مدینہ منورہ میں بھی مشرکین مکہ کی طرف سے مخالفت اور دشمنی جاری رہی۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی بصیرت اس سے کئی بلند بالا تھی، مدینہ پہنچتے ہی نبی ﷺ نے موثر اقدامات فرمائے، مختلف قبائل بشمول یہود کے ساتھ معاہدات کئے جس سے مدینہ وفاق کی صورت اختیار کر گیا[36]۔ مزید براں داخلی مسائل کو حل کرنے کے لیے مسجد نبوی کی تعمیر اور مواخات جیسے امور سرانجام دینا، رسول اللہ ﷺ اپنے مشن کی طرف پیش رفت کرتے چلے گئے۔ اس مشن کی تکمیل کے کیے آنحضرت ﷺ مختلف جنگی مراحل سے گزر کر بالآخر تمام جزیرہ نمائے عرب پر اسلامی حکومت قائم فرما دی اور یہ انسانی تاریخ کا واحد نمونہ ہے۔[37] یہی آپ ﷺ کا مقصد بعثت تھا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی امارت تقریباً ڈھائی سال رہی۔ مختصر یہ کہ ابو بکر صدیقؓ کا دور داخلی بغاوتوں پر قابو پانے میں اور عرب قبائل کو متحد کرنے میں گزرا۔ البتہ اس میں بھی کوئی دوسری رائے نہیں صدیقؓ نے حضرت اسامہؓ کی قیادت میں لشکر رومیوں کی طرف بھیجا جو اسلام کی توسیع کے نقطہ نظر سے بہت اہمیت کا حامل ہے، یہ لشکر رسول اللہ ﷺ نے خود تیار فرمایا تھا۔[38] اسلام کی توسیع سیاسیات اسلام کی ایک نمایاں قدر ہے اس کی اہمیت کا اظہار خلیفہ اوّل کے عہد میں باوجود داخلی مسائل اور مخالفت کے، لشکر اسامہؓ کو بھیج کر کیا۔

حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ثانی کا عہد خلافت 634ء تا 644ء تک ہے۔ اس دور میں پوری دنیا کا نقشہ بدل گیا، یہ دس سال اسلام کے زریں اور تاریخ انسانی کا بہت اہم موڑ (turning point) ہے۔ حضرت عمرؓ نے 635ء میں اردن، 636ء میں ایرانی اور رومی سلطنتوں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ 637ء میں بیت المقدس کی عظیم الشان فتح اور 641ء میں فارس، شام، فلسطین اور مصر مسلمانوں کے زیر نگیں آ چکے تھے۔ 643ء میں طرابلس یعنی آج کا لیبیا فتح ہوا۔ اس خلافت میں عراق، الجزائر، آرمینیا، آذربائیجان، کرمان، خراسان، ہرات، ہمدان، دیلم، رے، مکران، طبرستان، سیستان، فارس اور مکران اسلامی حکومت کا حصہ بن چکے تھے۔ گویا کہ قرآن کی پیشن گوئی غزوہ بدر یوم فرقان پوری ہوئی اور صرف بیس برس کے بعد 22 لاکھ مربع میل

---

[35] ابن کثیر، ابواء عماد الدین ابن کثیرؒ، **سیرۃ النبی ﷺ**، ناشر: ابو بکر قدوسی، اکتوبر 1996ء، ص 453

[36] ایضاً، ج سوم، ص 495 تا 500

[37] ابن کثیر، ابواء عماد الدین ابن کثیرؒ، **سیرۃ النبی ﷺ**، ناشر: ابو بکر قدوسی، اکتوبر 1996ء، ج سوم، ص 122 تا 123

[38] ایضاً، ج سوم، ص 130

پر وسیع سلطنت کے بر سر وجود میں آچکی تھی۔[39] اس دور کی دو سپر پاورز قیصر روم اور کسری ایران دونوں شکست وریخت کا شکار ہو چکے تھے۔ اسلام کا نظام عدل اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ قائم ہوا، جو حضرت عمر کے لقب فاروق کا عملی مظہر تھا۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کا دور 644ء سے 656ء تک کا ہے۔ آپؓ کے عہد میں بھی فتوحات اسلامی کا سلسلہ جاری رہا، شمالی افریقہ کے کئی علاقے، قبرص، تونس، لیبیا، خوارزم، افغانستان، غزنی، بلخ، سمرقند، بخارا اور طخارستان فتح ہوئے۔ اسلامی فوجی ماوراءالنہر اور چین جا پہنچیں۔ اس دور میں مسلمانوں کی پہلی بحریہ تیار کی گئی[40]۔

اس کے بعد حضرت علیؓ کا عہد خلافت ہے۔ جو اس اعتبار سے خلافت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مشابہ تھا کہ اس میں داخلی استحکام پر زیادہ توجہ رہی جبکہ خارجی فتوحات کا سلسلہ بند رہا۔

عہد بنو امیہ کے دور میں فتوحات کا سلسلہ دوبارہ جاری ہوا۔ ولید اول کے عہد 705ء تا 715ء میں قتیبہ بن مسلم نے سارے وسطی ایشیا کو کاشغر جنتا کو مسخر کر لیا تھا۔ اسی اسلامی دور میں محمد بن قاسم نے بلوچستان سے ملتان تک کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل کر لیا تھا۔ ہشام 763ء کے دور میں مسلمان براعظم یورپ میں سپین اور پرتگال کو فتح کر چکے تھے۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں ایشیا کوچک کا بڑا حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں آچکا تھا۔[41]

پروفیسر ارشد جاوید لکھتے ہیں کہ معروف مغربی کیرن آرم سٹرانگ (Karen Armstrong) لکھتی ہے کہ ساتویں اور آٹھویں صدی میں عرب مسلمان ایک بڑی عالمی طاقت کے طور پر ظہور پذیر ہونے کے مماثل تھے۔[42]

یہی وہ وقت تھا دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکے۔ 711ء مسلم جرنیل طارق بن زیادؒ نے اسپین کی فتح کا آغاز کیا۔ کل چار سال میں پورے اسپین پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گی۔ اسپین اس وقت معاشی اور ثقافتی پسماندگی میں تھا مسلمانوں نے اس کو ایک نئی بصیرت وفکر عطا کی اسی وجہ سے مسلمانوں کی حکومت آٹھ سو سال تک اسپین پر قائم رہی۔ مسلمانوں نے وہاں پر یونیورسٹی قائم کی، طب سائنس اور بے شمار اہل علم پیدا کی۔ مسلمانوں کے دور میں اسپین یورپ کا سب سے زیادہ ترقی

---

[39] ارشد جاوید، **مسلمانوں کا ہزار سالہ عروج**، (شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ، لاہور۔ طبع اول)، نومبر 2010ء، ص26

[40] ایضاً، ص26

[41] ارشد جاوید، **مسلمانوں کا ہزار سالہ عروج**، (شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ، لاہور۔ طبع اول)، نومبر 2010ء، ص26

[42] ایضاً

یافتہ ملک تھا۔1492ء میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی، عیسائی حکمرانوں مسلمانوں کا قتل عام کیااور ایک مسلم نفس بھی وہاں نہ چھوڑا۔ سلطان محمود غزنویؒ خراسان اور افغانستان پر 971ء تا1030ء تک حکمران رہے۔1020ء تک ہندوستان پر 17 حملے کیے اور پنجاب کو اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا، لاہور کو صدر مقام کی حیثیت دی گئی تھی۔1192ء میں شہاب الدین غوریؒ نے دہلی پر فتح حاصل کر کے ہندوستان میں مسلم ریاست کی بنیاد رکھی۔ان کے بعد ہندوستان میں قطب الدین ایبک، التمش، غیاث الدین بلبن، علاؤالدین خلجی، محمد تغلق، ابراہیم لودھی اور شیر شاہ سوری مسلمانوں کے حکمران رہے۔1526ء میں ظہیر الدین بابر مغلیہ خاندان کا پہلا حکمران پر سر اقتدار آیا، اسی نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی جبکہ اس کے آخری حکمران بہادر شاہ ظفر 1857ء میں دہلی پر انگریزوں نے انڈیا اور مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ حکومت کا خاتمہ ہوا۔[43]

1.1.2.3.1 آئمہ اسلامی فقہ و قانون کی نظر میں اسلامی ریاست میں حاکمیت اور عدل:

عدل اسلامی سیاست اور حکمرانی کا جوہر ہے، اس کی اہمیت بالکل اسی طرح ہے جیسے جسم میں سر کی ہے، احکام میں جیسے عرفہ کی اہمیت حج میں، اور عقود میں باہمی رضامندی، اور جیسے عبادت میں نیت، اگر عدل ختم ہو جائے تو اس کے ساتھ سیاست اور حکومت اپنے مقاصد کے اعتبار ناکام ہو جاتی ہے۔امام ابن تیمیہؒ (1263ء تا1328ء) کہتے ہیں:

" وأمور الناس تستقيم في الدنيا مع العدل الذي فيه الاشتراك في أنواع الإثم: أكثر مما تستقيم مع الظلم في الحقوق وإن لم تشترك في إثم؛ ولهذا قيل: إن الله يقيم الدولة العادلة وإن كانت كافرة؛ ولا يقيم الظالمة وإن كانت مسلمة. ويقال: الدنيا تدوم مع العدل والكفر ولا تدوم مع الظلم والإسلام"[44]

ترجمہ: "اس دنیا میں لوگوں کے معاملات عدل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جس میں گناہ مختلف قسم کے ہیں، اکثر گناہ حقوق میں ناانصافی کے ہیں، چاہے آپ گناہ میں شریک نہ ہوں۔اسی لیے کہا گیا: خدا ایک عادلانہ ریاست قائم کرتا ہے۔اور اگر وہ کافر ہے۔ اور ظالم کو قائم نہیں کرتا خواہ وہ مسلمان ہو۔ کہا جاتا ہے: دنیا عدل اور کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے، لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی"

---

[43] ایضاً

[44] ابن تيمية، **مجموع الفتاوى** ، المدينة المنورة، مجمع الملك فهد، 1416 هـ/ 1995 م، ج 28 ، ص 146.

امام مالکؒ (711ء تا 795ء) فقہ اسلامی کے جید آئمہ میں سے ایک ہیں، آپؒ اسلامی قانون کے امام ہیں۔ اسلام میں اللہ کی حاکمیت اور قانون شریعی کی اہمیت وضرورت کے حوالے سے واضح فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور کسی شے کی حلت و حرمت اللہ کا حق ہے اور مجتہد محض اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ ذیل میں درج ہے:

يقول القرطبي: " قال مالك:

الحاكم في الإسلام هو الله تعالى، بمعنى أن الذي يشرع ويحلل ويحرم هو الله سبحانه وتعالى، وليس لبشر أن يقتحم أسوار التحليل والتحريم، وإلا وقع في الشرك،---لم يكن من فتيا الناس أن يقولوا هذا حلال وهذا حرام، ولكن يقولون إياكم كذا وكذا، ولم أكن لأصنع هذا. ومعنى هذا: ان التحليل وتحريم إنما هو لله عز وجل، وليس لأحد أن يقول أو يصرح بهذا في عين من الأعيان، الا ان يكون الباري تعالى يخبر بذلك عنه. وما يؤدي إليه الاجتهاد في أنه حرام يقول: إني أكره]كذا[(.....) وقد يقوى الدليل على التحريم عن المجتهد فلا بأس عنه ذلك أن يقول ذلك، كما يقول إن الربا حرام في غير الأعيان الستة"[45]

قرطبیؒ کہتے ہیں: مالکؒ نے کہا: اسلام میں اصل حاکم اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے، کسی فرد بشر کو حلال و حرام کا حکم دینے کا اختیار نہیں، اگر کوئی ایسا کرے تو یہ شرک ہے۔ لوگوں کے فتووں میں سے یہ نہیں تھا کہ وہ یہ کہیں کہ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز و حرام ہے، بلکہ اس میں کہا جاتا ہے کہ "فلاں سے بچو" اور ایسا نہ کرنا۔ تو معنی یہ ہوئے: حلت و حرمت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کسی اور کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی خاص معاملے میں بیان کچھ کرے، سوائے اس کے کہ کہے قادرِ مطلق اللہ اس معاملے میں یہ کہتا ہے، اور جو شے اجتہاد کے ذریعہ سے حرام قرار دی جاتی ہے، اس میں مجتہد کہتا ہے: مجھے [فلاں اور فلاں] سے نفرت ہے (.....) اور مجتہد اس کو ممانعت کی دلیل سے مضبوط کرتا ہے جو اس کے پاس اور اختیار میں ہے۔ لہٰذا اس میں حرج نہیں ہے کہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ سود چھ تصریحات کے علاوہ دیگر امور میں حرام ہے۔ ابوالحسین علیؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

وهذا مبحث أصيل في الدين تعرض له علماء الأصول في مباحث الحكم الشرعي، وبينوا أن الحاكم هو الشرع بالاتفاق[46]

اور یہ دین اسلام کا اساسی موضوع ہے، اصولی علماء نے حکم شریعت کے اس مضمون پر بحث کی اور یہ طے کیا ہے کہ حاکم، شریعت ہی ہے اور اس پر سب متفق ہیں۔

---

[45] القرطبي، **تفسير القرطبي**، ج 10 ، ص 197

46 الآمدي، أبوالحسين علي بن أبي علي بن محمد الثعلبي الآمدي) ت: 631ھ(، **الإحكام في أصول الحكام**، بیروت، المكتب الإسلامي، ج1، ص7

خلاصہ مبحث:

- اسلام کا بقیہ مذاہب عالم کے مقابلے میں یہ خصوصی وصف ہے کہ اس میں ریاست وسیاست کے اصول بہت واضح اور واشگاف انداز میں بیان کیے گئے ہیں، جبکہ بقیہ مذاہب کی کتب میں ایسا نہیں ہے۔
- اسلام کے سیاسی اصولوں میں سر فہرست یہ ہے کہ حاکمیت کا سرچشمہ اور قانون ساز واحد اور یکتا 'اللہ' ہے اور انسان اس کا خلیفہ ہے۔ انسانوں میں انبیا کرامؑ اس کے چنیدہ نمائندے اور رہنما انسانیت ہیں۔
- اسلام سیاست کا اساسی وصف 'عدل' ہے۔ اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے بین الانسانی مساوات اور امن وامان قائم ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ انسانوں پر سب زیادہ اثر اس کے ماحول اور حکمرانوں کا ہوتا ہے اسی فکری بنیاد پر اسلام امن کا داعی ہے یہ امن آزادی بھی مہیا کرتا ہے، جو اس کے حقیقی مقصد حیات یعنی نجات اُخروی کی طرف دعوت فکر دیتا ہے۔ اس پر مستزاد باحیا معاشرہ اور معاشی خوشحالی اس کے مقصد حیات کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔
- ساتویں صدی سے لے کر اٹھارہویں عیسوی صدی تک تقریباً گیارہ سو سال مسلمان دنیا کی سپر پاور تھی۔ مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ رویہ ہمیشہ اسلامی اقدار کے مطابق رہا، عدل، امن وامان، تعلیم کے وسائل وذرائع اور بنیادی حقوق ہمشہ غیر مسلموں تک کو حاصل رہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے اعلی اخلاق وکردار کی مثالیں اب بھی تاریخ کی کتب کی زینت ہیں اور یہ کے غیر مسلم نے بھی اس بات کی تعریف کی۔
- مسلمان فاتحین نے ہمیشہ مفتوح قوم کے بچوں، بزرگوں، عورتوں کو نہ ظلم وزیادتی کا نشانہ بنایا اور نہ قتل کیا۔ اسی طرح مذہبی علماء کو آزادی دی، نہ جانوروں کو قتل کیا نہ ہی کسی کے درخت کاٹے، ہمیشہ وعدوں اور معاہدوں کی پاسداری کی۔ مسلمانوں کی اعلی ظرفی اور بلند اخلاق کی مثالیں عہد رسالت وخلافت راشدہ کی تو بہت ہیں۔ بعد کے ادوار میں بھی محمد بن قاسمؒ کو تو ہندوؤں نے دیوتا قرار دیا۔ اسی طرح صلاح الدین ایوبیؒ کے غنٰی اور رحم دلی کی مثال کہ جب انہوں نے یروشلم فتح کیا۔ کسی بے گناہ کو قتل کیا نہ کسی عورت کی بے حرمتی کی گئی۔ سارا یورپ (بشمول فرانس وجرمنی) سلطان کے مقابلے میں اکٹھے تھے۔ جنگ کے دوران شاہ انگلستان رچرڈ شیر دل اور شاہ فرانس بخار میں مبتلا ہوئے۔ سلطان نے بیماری کا سن کر کوہ لبنان سے برف منگوا کر انھیں بھیجی۔ ان کے صحت یاب ہونے تک سرد پانی، تازہ پھل، میوے اور ادویات بھجواتے رہے۔ رچرڈ (1157ء تا 1199ء) جو برطانیہ کا بادشاہ تھا، کا گھوڑا ناکارہ ہو گیا تو اپنا گھوڑا بھیجوایا۔ لیکن اس کے برعکس رچرڈ نے معائدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے (Siege of Acre) کے 2700 مسلمان قیدی بے رحمی سے شہید کروا دیا۔ جبکہ غیر مسلم حکومتوں نے کی وہ مثالیں قائم کیں کہ جو انسانیت کے لیے داغ ہیں۔ بر سر عام کھالیں کھینچیں گئیں، جسم کیلوں سے ٹھونکے گئے، زبانیں کاٹی گئیں، آنکھیں نکالی گئیں، اعضاء

کاٹے گئے، مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں گلیوں میں سر عام بکھیر دیئے گئے۔ بہیمانہ خون ریزی کے علاوہ بے شمار عزتیں پامال کی گئیں۔ 70 ہزار مسلمان مسجد اقصٰی میں بدترین تشدد سے ہلاک کر دیئے گئے۔ یورپی مصنف مورخ مچاڈ کے مطابق مسلمانوں صلیبوں کے گھوڑوں کے قدم مسلمانوں کے خون میں ڈوب جاتے تھے[47]۔ اسپین سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا تو لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا یا زبردستی عیسائی بنایا گیا یا ملک بدر کیا گیا یہاں تک کہ ایک مسلمان بھی نہ چھوڑا گیا۔ مسلمانوں نے آٹھ سو سال سے زائد عرصہ اسپین پر حکومت کی اور قریبا ایک ہزار سال ہندوستان پر، لیکن کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

[47] ارشد جاوید، **مسلمانوں کا ہزار سالہ عروج**، (شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ، لاہور۔ طبع اول)، نومبر 2010ء، ص 32

1.2 فصل ۲: پاکستان کی سیاسی منزلت اور ڈاکٹر اسرار احمد کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل:

1.2.1 مبحث ۱: قرارداد مقاصد اور پاکستان کی موجودہ سیاست:

- پاکستان کی موجودہ صورتحال پر تجزیہ سے قبل تاریخ پاکستان کے حوالے سے چند حقائق پیش نظر رہنے چاہئیں۔ اولاً یہ کہ مسلمان جو انگریزوں کے آنے سے قبل برصغیر کہ حکمران تھے، محکوم ہوئے۔ فطری رد عمل کے طور پر استعمار کو قبول نہ کر سکتے تھے، صرف نظر اس سے کہ ان کا نظریہ کیا ہے، درست ہے یا نہیں؟ چنانچہ مسلمانان ہند رد عمل اور نفرت کی کیفیت میں رہے۔ ثانیاً یہ کہ قیام پاکستان سے قبل ہی مسلمانوں میں 'مذہبی اور سیکولر' کی تقسیم ہو چکی تھی، اسی بنیاد پر دو تعلیمی نظام مساوی طور پر جاری ہوئے جو اب تک قائم ہیں۔ اسی بنا پر اس خطہ کے جو مسلمان مذہبی عناصر سے متاثر ہوئے وہ جدید تعلیم یافتہ طبقات سے ہم آہنگ نہ ہو سکے اور اسی طرح سکولوں کالجوں کی اکثریت اسلامی تعلیمات کی طرف راغب نہ ہو سکی۔ ان دریں حالات ایک الگ سوچ اور فکر کی بنیاد سر سید احمد خان نے رکھی، انہوں نے جدیدیت اور سیکولرزم کو اسلام کے ساتھ ہم آہنگ کے طور پر پیش کیا۔ جو بعد میں سیکولر پاکستان کی آواز بن گئی۔ ولیم ایل ریچر (William L Richter) پیپر اسلامک ریسرجنس میں اس پر لکھتے ہیں:

In the nineteenth century, the great Muslim reformer, Sir Syed Ahmad Khan, successfully rested the leadership of the Muslims from the hold of the orthodox divines and sent them on the road to modernism.[48]

ترجمہ: انیسویں صدی میں عظیم مسلم مصلح سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی قیادت کو روایتی علماء کی گرفت سے کامیابی سے آزاد کر کے جدیدیت کی راہ پر گامزن کیا۔ گویا کہ تاریخی طور پر قیام پاکستان سے قبل ہی مسلمانوں میں مذہبی اور سیکولر کی تقسیم ہو چکی تھی۔ اسی آرٹیکل میں مزید صاحب مضمون لکھتے ہیں کہ پاکستان کی آزادی کا پہلا عشرے میں اسلامی نظریات حاوی رہے۔ اور

[48] William L. Richter, **The Political Dynamics of Islamic Resurgence in Pakistan,** ***Asian Survey***, Vol. 19, No. 6 (Jun., 1979), pp. 547-557, Published by: University of California Press

ایوب خان کے دور میں اس نے اسے برقرار رکھا۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں سر سید احمد خان کی دی ہوئی سوچ و فکر غالب آئی۔ پاکستان 1970ء کے الیکشن کے بعد جدیدیت کی راہ پر گامزن ہو گیا[49]۔

1.2.1.1 قرارداد مقاصد:

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح پہلے گورنر جنرل آف پاکستان 11 ستمبر 1948 ءاس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ 12 مارچ 1949ء کو لیاقت علی خان (مرحوم) اس وقت کے وزیر اعظم، نے قرارداد مقاصد پیش کی جو منظور ہو گی جس کی پہلی شق مندرجہ ذیل ہے۔

(In the name of Allah, the most Beneficent, the most Merciful.)
THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN
[12TH APRIL, 1973]
Preamble
Whereas sovereignty over the entire Universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust;
And whereas it is the will of the people of Pakistan to establish an order;
Wherein the State shall exercise its powers and authority through the chosen representatives of the people;
Wherein the principles of democracy, freedom, equality, tolerance and social justice, as enunciated by Islam, shall be fully observed;
Wherein the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teachings and requirements of Islam as set out in the Holy Quran and Sunnah;
Wherein adequate provision shall be made for the minorities freely to profess and practice their religions and develop their cultures;
Wherein the territories now included in or in accession with Pakistan and such other territories as may hereafter be included in or accede to Pakistan shall form a Federation wherein the units will be autonomous with such boundaries and limitations on their powers and authority as may be prescribed;
Wherein shall be guaranteed fundamental rights, including equality of status, of opportunity and before law, social, economic and political justice, and freedom of thought, expression, belief, faith, worship and association, subject to law and public morality;
Wherein adequate provision shall be made to safeguard the legitimate interests of minorities and backward and depressed classes;
Wherein the independence of the judiciary shall be fully secured;
Wherein the integrity of the territories of the Federation, its independence and all its rights, including its sovereign rights on land, sea and air, shall be safeguarded;
So that the people of Pakistan may prosper and attain their rightful and honored place amongst the nations of the World and make their full contribution towards international peace and progress and happiness of humanity;
Now, therefore, we, the people of Pakistan;
Conscious of our responsibility before Almighty Allah and men;

---

[49] As above

Cognizant of the sacrifices made by the people in the cause of Pakistan;
Faithful to the declaration made by the Founder of Pakistan, Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah, that Pakistan would be a democratic State based on Islamic principles of social justice;
Dedicated to the preservation of democracy achieved by the unremitting struggle of the people against oppression and tyranny;
Inspired by the resolve to protect our national and political unity and solidarity by creating an egalitarian society through a new order;
Do hereby, through our representatives in the National Assembly, adopt, enact and give to ourselves,
this Constitution.[50]

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، (12 اپریل 1973ء)

1۔ چونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی بلاشرکت غیرے پوری کائنات کا حاکم مطلق ہے، اور اس کے مقرر کردہ حدود کے اندر پاکستان کے جمہور کو یہ اقتدار استعمال کرنے کا حق ہو گا اور یہ ایک مقدس امانت ہے۔ مملکت اپنے اقتدار و اختیارات کو جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔

2۔ چونکہ پاکستان کے جمہور کی یہ رضا ہے کہ ایک ایسا نظام قائم ہو ، جس میں حکومت اپنے اقتدار اور اختیارات کو جمہوریت، مساوات، آزادی، رواداری اور عمرانی اصولوں کے مطابق عدل پر مکمل طور پر عمل درآمد ہو جیسے اسلام نے ان کی تشریح کی ہے۔

3۔ جس سے مسلمانانِ پاکستان کو انفرادی اور اجتماعی شعبہ عمل میں اس قابل بنانے کی کوشش کی جائے گی وہ اپنی زندگیاں اسلامی مقتضیات اور تعلیمات کے مطابق گزار سکیں جسطرح قرآن اور سنت میں متعین کی گئی ہیں۔

4۔ اقلیتیں کے لیے قرار واقعی انتظام کیا جائے گا کہ وہ آزادی سے اپنے مذاہب پر عقیدہ پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

5۔ اس قرارداد کی رو سے پاکستان میں شامل علاقوں کے اشتراک سے ایک وفاق کا قیام، بنیادی حقوق کی فراہمی کی ضمانت، اقلیتوں اور کم تر طبقات کے جائز انسانی حقوق کا تحفظ اور عدلیہ کی آزادی سمیت دیگر اداروں کو حقوق کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

[50] **THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN,** Preamble, **[**12TH APRIL, 1973], (As amended up to the 25th Amendment, 31st May, 2018), Link address: https://na.gov.pk/uploads/documents/1333523681_951.pdf(site visited in May, 2023)

6۔ جس میں تمام شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ دیا جائے، تمام افراد باعتبار قانون اور مواقع برابر ہوں گے اور سماجی، معاشی اور سیاسی عدل باہم مہیا کیا جائے گا اور آزادی فکر، آزادی اظہار رائے، آزادی مذہب وعقیدہ اور عبادت کی آزادی ہو گی۔ ہر شہری کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اگر وہ چاہے تو کوئی انجمن یا جماعت بنائے بشرط کہ قانون اور اخلاق کے خلاف نہ ہو۔

7۔ جس میں اقلیتوں اور پست اور کم تر طبقات کے مفادات کے تحفظ کے لیے بہتر انتظامات کیے جائیں گے۔

8۔ جس میں پوری طرح عدلیہ آزاد اور محفوظ ہو گی۔

9۔ جس میں وفاق اپنی حدود کے اندر خود مختار ہو گا، اس میں بری، بحری اور فضائی حدود کی خود مختاری بھی شامل ہو گی۔

تاکہ پاکستانی عوام خوشحال ہوں اور اقوام عالم میں باوقار درجہ و مرتبہ پر فائز ہو سکیں اور بین الاقوامی امن، ترقی اور انسانیت کی خوش حالی میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔ لہذا ہم بطور پاکستانی عوام اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے سامنے اپنی ذمہ داری اور پاکستان کی خاطر دی جانے والی قربانیوں کا احساس کے ساتھ یہ بات کا طے کرتے ہیں کہ بانی پاکستان، قائداعظم محمد علی جناح کے فرمان کے وفادار رہیں گے کہ پاکستان میں عدل عمرانی کے اسلامی اصولوں کے مطابق ایک اسلامی جمہوری ریاست قائم کریں گے۔ ہماری کوششیں اسی جمہوریت کے تحفظ کے لیے صَرف ہوں گی جو جبر واستبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد سے حاصل کی گئی؛ از سر نو مساوات پر مبنی ایک متوازن معاشرہ تشکیل دے کر اپنے قومی اور سیاسی اتحاد اور یکجہتی کے تحفظ کے عزم؛ اس طرز پر قومی اسمبلی کے نمائندے اپنے اور ہمارے لیے قانون سازی کر کے اس آئین کو بنائیں۔

گویا کہ قرارداد مقاصد اپنے مفہوم و مدعا میں بہت واضح طور پر اسلام کی برتری ظاہر کرتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ اللہ یعنی قرآن وسنت کو قرار دیا گیا ہے، اسلامی نظام عدل اجتماعی، بین انسانی مساوات اور جمہوریت بمعنی شورائیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ریاستی اداروں کو قوانین کے مطابق عمل درآمد کرانے کی بھرپور دعوت اور فکر، اور عوام الناس کے اسلامی شعائر کے مطابق زندگیاں بسر کرنے کا بھرپور سامان موجود ہے۔ علاوہ ازیں اقلیتوں کو اسلام کے نظام عدل کے تحت پوری مذہبی آزادی، تحفظ اور حقوق دینے کی واضح تعلیمات ہیں۔ تمام شہری آزادی اظہار رائے و فکر کے اعتبار سے حق رکھتے ہیں، چاہے انفرادی طور پر اس کا اظہار کرے یا کوئی انجمن یا جماعت بنائے۔ مزید یہ کہ بین الاقوامی سطح امن وانسانی خوش حالی میں اپنا کردار ادا کرے۔

1.2.1.2 آئین پاکستان اور موجودہ سیاست کا جائزہ:

آئین پاکستان کو مرتب کرنے کی ذمہ داری شوریٰ یعنی ممبران قومی اسمبلی کی اکثریتی رائے کو حاصل ہے۔ آئین پاکستان نظریہ پاکستان عملی شکل ہونا چاہیے اور بالعموم ایسا ہی ہے۔ مثلاً آئین پاکستان کے تعارفی نوٹ کی شق نمبر ۲ میں واضح طور پر اسلام کو ریاست کا مذہب قرار دیا گیا ہے۔ جو عین نظریہ پاکستان کی عملی شکل ہے۔

Islam to be State religion

2. Islam shall be the State religion of Pakistan.[51]

دستور پاکستان کل ۱۲ حصوں پر مشتمل ہیں جس میں ۲۸۰ شقیں ہیں۔ حصہ اول کے باب نمبر ا میں شہریوں کہ بنیادی حقوق کے متعلق شقیں موجود ہیں۔ انصاف مہیا کرنا، قانون کے دائرہ کار کے اندر آزادی اظہار رائے، تجارت اور پیشہ وارانہ آزادی، مساوات اور تعلیم وغیرہ کے حقوق تمام شہریوں کو حاصل ہوں گے۔

باب نمبر دوم بنیادی قوانین کی ایک طویل فہرست ہے جس میں حکومتی اداروں کی ذمہ داری لگائی گئی ہے کہ وہ اسلامی نظام حیات کو فروغ دیں۔ معاشی مسائل کا حل، خواتین کی قومی سطح پر نمائندگی کا حق دیا گیا ہے۔ اِسی طرح اقلیتوں کے لئے بہت سے حقوق کے تحفظ پہ درج کیا گیا۔ اس کے بعد باب سوم میں شق نمبر 31 میں یہ ہے کہ پاکستانی مملکت کے ذمہ ہے کہ وہ اسلامی طرز زندگی کو فروغ دے، اس کے لئے وسائل اور مواقع فراہم کرے اسی کے مطابق تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے۔ شق نمبر 37 میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حوالے ریاست کی ذمہ داری کو اس کی عمل در کرے۔ شق 40 میں بقیہ اسلامی دنیا سے اچھے روابط رکھنے اور امن عالم میں اپنا کردار ادا کرے۔ ان شقوں کی عملی صورت مواشرے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

ان ساتھ ساتھ آئین پاکستان میں چند شقیں اسلام سے متصادم ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو لکھیں گے یں لیکن عمل اس کے بر خلاف ہے۔ مثال کے طور پر شق نمبر 45 میں کسی بھی سزا کے مستحق شخص جس کو عدالت جرم ثابت ہونے پر سزا دے اس کو صدر پاکستان مؤخر یا معاف کر سکتا ہے۔ شق 62 قومی اسمبلی کا نمائندہ کو شریعت کا پابند اور مسلمانوں کے معاشرے میں دیانت دار مانا جاتا ہو، لوگ اس کو ایک نیک آدمی کے طور پر جانتے ہوں۔ لیکن عملاً اس کے بالکل بر عکس ہوتا ہے۔ شق 69 قومی اسمبلی کاروائی کے دوران گفتگو پر عدالتی کاروائی نہیں ہو سکتی۔ شق 177 کے مطابق سپریم کورٹ کا جج محض پاکستانی ہو۔ اس میں مسلمان ہونا

---

[51] **THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN,** Clause 2**,** (As amended up to the 25th Amendment, 31st May, 2018), Link address: https://na.gov.pk/uploads/documents/1333523681_951.pdf

ضروری نہیں قرار دیا گیا۔ جبکہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جس کا مذہب اسلام ہے اس کے آئین اور قانون کی پاسداری کوئی مسلمان ہی کر پائے گا۔

پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کی ایک وجہ یہ ہے یہاں جمہوری حکومتیں تسلسل سے قائم نہ رہ سکیں۔ پاکستان میں پہلا جمہوری دور 1947ء لے کر 1958ء تک رہا، دوبارہ 1973ء تا 1977ء تک، پھر 1988ء تا 1999ء اور 2008ء سے تاحال قریباً 42 برس سے کچھ زائد عرصہ پاکستان میں سول یا جمہوری حکومت رہی۔ بقیہ اس کا درمیانی قریباً اس کا مساوی عرصہ مارشل لاء یا مارشل لاء نما صدارتی نظام رائج رہا. تاریخ پاکستان کے بڑے سانحوں میں سے 1948ء میں حیدر آباد اور جونا گڑھ کی ریاستوں پر ہندوستان کا قبضہ کرنا، 1965ء ستمبر میں پاکستان سیالکوٹ بارڈر پر ہندوستان کا حملہ، 1971ء میں سقوط ڈھاکہ، مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں بدل گیا۔ پاکستان میں مختلف اوقات میں مختلف جماعتیں بر سر وجود میں آتی رہیں۔ البتہ قریباً پچھلی تین دہائیوں سے سیاسی سطح پر اب تک تین بڑی جماعتیں ایسی ہے جو کہ اقتدار میں بھی رہیں اور ان کی حیثیت بھی یہ غیر معمولی ہے۔ جن میں پاکستان مسلم لیگ ن، پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان تحریک انصاف ہیں۔ البتہ مذہبی جماعتوں میں جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام بڑی سیاسی جماعتیں جو انتخابی سیاست میں ان کے مقابل رہیں۔ اس میدان میں اسلامی جماعتیں اجتماعی سطح پر اسلام نظام کی طرف پیش رفت کے حوالے سے کوئی خاطر خواہ کام نہ کر سکیں۔ ان کا کام احتجاجی سیاست اور حکومت قائم کرنے اور گرانے کے اعتبار سے زیادہ مؤثر رہا ہے۔

پاکستان کی بقیہ سیاسی جماعتیں اور اسلامی جماعتیں سے اپنے اپنے مقاصد کے لیے اتحاد کرتی رہیں ہیں۔ پاکستان کی سیاست اسی کشاکش اور عوامی دباؤ سے ایک طرف قرارداد مقاصد پاس کی گئی اور دوسری طرف پاکستان کی قیادت نے آغاز یعنی 11 جولائی 1950ء ہی میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی ممبر شپ کر حاصل کر لی تھی، گویا قیادت دو متضاد نظریات کو ایک ساتھ لے کر چلنے پر مجبور ہوئی۔ ان میں ایک اسلام اور دوسرا سیکولرازم۔ بطور اسلامی ریاست ایسے کسی ادارے کے ساتھ کوئی روابط تو دور کی بات ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ ایسے اداروں کو درست سمت کی نصیحت یعنی علمی اور عملی سطح پر اس کا رد کرنا چاہیے اور اس سے آگے بڑھ کر نہی عن المنکر بالید یعنی عالمی سطح پر آواز اٹھانا، اصل ذمہ داری ہے، نہ کہ اس کی ممبر شب حاصل کرنا۔ قرارداد مقاصد کی رو سے اسلام ریاستی سطح پر پاکستان کا مذہب قرار پایا اور اسلامی قانون سازی 1973ء کے آئین میں ہوئی۔ بعد ازاں جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں کچھ اور اسلامی اصلاحات وجود عمل میں آئیں۔ مثلاً: حدود آرڈیننس، فیڈرل شریعت کورٹ، یکم جنوری 1981ء کو بلا سود بینک کاری متعارف کرائی گئی وغیرہ۔ بعد کے ادوار میں سیاسی عدم استحکام اس صورت میں رہا کہ کوئی جمہوری حکومت اپنی آئینی مدّت پوری نہ کر سکی بلکہ آدھی مدّت گزرنے پر ہی اسمبلیاں تحلیل کر دی جاتیں رہیں۔ اس کے بعد جنرل مشرف چیف ایگزیکٹو آف پاکستان کے طور پر پاکستان کی سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے۔ اس دور حکومت میں ایک طرف ماڈرن ازم کو

فروغ ملا، دوسری جانب پاکستان امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بننا اور افغانستان پر حملے کے لیے پاکستان کے ہوائی اڈے دیے گئے۔ امریکہ کی پاکستان کے اندر مداخلت سے سوات آپریشن کیا گیا، جس سے پاکستان میں بدامنی، خودکش حملے اور معاشرتی عدم استحکام پیدا ہوا۔ چند قانونی اصلاحات وجود میں آئیں لیکن عملی دنیا میں اس کا وجود نہیں۔ سرزمین پاکستان کی حکومت جس کے پاس بھی رہی، ان سب میں اس بات میں موافقت رہی کہ پاکستان کی بھلائی و خیر ثانوی درجے پر رہی اور حکمرانوں کا ذاتی مفاد اور انا سے کمتر رہی۔ ذاتی مقاصد اور مفاد کے لیے پاکستان کی سالمیت اور آئینی حدود کی پرواہ کیے بغیر ریاستی سربراہی کی گئی اور وسائل استعمال کیے گئے۔ ان تمام تر حقائق کے باوجود مثبت اور ایک استثناء یہ ہے کہ پاکستان کا جوہری پروگرام ہر حکومت میں جاری رہا۔

1.2.1.3 ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور سیاسیات پاکستان:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اسلام کو پاکستان کی نظریاتی اساس قرار دیتے ہیں۔ پاکستان میں سیکولر اور مذہبی عناصر میں یہ نظریاتی کشاکش آغاز ہی سے رہی ہے۔ اسی ذیل میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب 'استحکام پاکستان' کے باب دوم 'پاکستان کی اساس' میں جناب حسین شہید سہروری صاحب[52] (1892ء تا 1963ء) کو پہلی سیاسی شخصیت قرار دیتے ہیں جنہوں نے نظریۂ پاکستان کے حوالے سے مختلف خیالات ظاہر کیے تھے۔ وہ یہ کہ 'پاکستان خالصتاً معاش کے اسباب کی وجہ سے معرض وجود میں آیا ہے'۔ وہ چونکہ خود ایک متنازعہ شخصیت تھے اس لیے بات کو زیادہ اہمیت نہ دی گی۔ اس کے علاوہ میاں ممتاز محمّد خان دولتانہ صاحب[53] (1916ء تا 1995ء) کی رائے نقل کی جس میں وہ تحریک پاکستان کو مذہبی تحریک کے بجائے ایک خالص سیاسی تحریک کہہ دیا ہے۔ اس پر جب ان سے سوالات ہوئے تو وہ خود ہی ثابت نہ کر سکے۔ ایک رائے سردار شوکت حیات خان صاحب[54] (1915ء تا 1998ء) کی بھی تھی جس کو ڈاکٹر صاحبؒ نے نقل کیا، وہ یہ کہ 'تحریک پاکستان میں یہ نعرہ کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ، چند چھوکروں کی ایجاد ہے'۔ ڈاکٹر اسرارؒ ان شخصیات کو بہت اہمیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حضرات تحریک پاکستان کے ان

---

[52] حسین شہید سہروری صاحب پیشے کے اعتبار سے وکیل اور سیاستدان تھے۔ آپ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۷ء برٹش انڈیا کے دور میں بنگال کے وزیر اعظم رہے، بعد میں پاکستان میں ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۷ء میں وزارت عظمیٰ پر فائز رہے۔ تحریک پاکستان میں بھی شریک رہے اور بنگال کی علیحدگی میں شیخ مجیب الرحمان کا ساتھ دیا۔

[53] میاں ممتاز محمّد خان دولتانہ صاحب قائد اعظمؒ کے ساتھ تحریک پاکستان میں شانہ بشانہ شریک رہے۔ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۳ء وزیر اعلیٰ مغربی پنجاب اور ۱۹۵۷ء میں وزیر دفاع پاکستان رہے۔

[54] سردار شوکت خان برطانوی ملٹری میں بطور میجر ۵ سال تک سروس کرتے رہے۔ اس کی بعد سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا، مسلم لیگ کو تحریک پاکستان کے لیے منظم کیا۔ مسلم لیگ کی طرف سے ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک ممبر قومی اسمبلی بھی رہے۔

نوجوان کارکنوں میں سے ہیں جو قائدِ اعظم کے ساتھ شامل تھے۔ پھر اس مسئلہ پر مختلف آراء سے نوجوان نسل ذہنی و فکری انتشار (Confusion) کا شکار ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

''چنانچہ ضرورت ہے کہ تحقیق کی ہے، جس میں پوری سنجیدگی کے ساتھ واقعیت اور حقیقیت پسندانہ (Realistic) اور حد تک معروضانہ انداز (Objective) میں غور کیا جائے کہ قیام پاکستان کے اصل محرکات کیا تھے؟ اور اس وطن کی کوئی واقعی اور حقیقی بنیاد اور جڑ ہے بھی نہیں؟''[55]

نظریہ پاکستان کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس کی تین سطحوں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی تمثیل پانی کی سطحوں کو بیان کرتے ہیں، اس کی پہلی سطح جو عمومی ہے دریاؤں اور ندی، نالوں کی ہوتی ہے۔ دوسری سے کچھ گہری کنوؤں اور ہینڈ پمپ وغیرہ کی ہے اور تیسری سطح انتہائی اس میں پانی ٹیوب ویلو کے ذریعے انتہائی گہرائی سے نکالا جاتا ہے۔ اس میں پہلی سطح سے مراد، عوامی رجحان اور عمومی مقبولیت ہے، اس بات سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ اس کا اصل محرک اسلامی ہی تھا۔ ماسوائے اس کے کہ کوئی ضد کرنا چاہے تو الگ معاملہ ہے۔ اس کی حیثیت نوشتۂ دیوار کی سی ہے اور پوری دنیا میں تسلیم کی جاتی ہے۔ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کا نعرہ جس نے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا بہر صورت 'پاکستان کا مطلب کیا! لا الہ الا اللہ ہی تھا'، یہ الفاظ کس نے متعین کیے اس سے کوئی فرق پڑتا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

''بانی پاکستان و موسس اور تحریک پاکستان کے قائدِ اعظم نے مسلمان قومیت کی بنیاد مذہب کو، اسلام کو پاکستان کی منزل، قرآن کو پاکستان کا دستور قرار دیا تھا اور پاکستان کے قیام کا مقصد یہ بیان کیا تھا کہ پاکستان کے ذریعے عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریّت، مساوات و اخوّت کو جدید تفسیر نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار کوئی نہایت ڈھیٹ شخص ہی کر سکتا ہے۔''[56]

دوسری سطح کے حوالے سے کہتے ہیں کہ تحریک پاکستان کا دراصل جذبہ محرکہ کیا تھا؟ اس کا جواب دینا آسان کام نہیں ہے۔ اس سوال کے حوالے سے خاصہ اختلاف ہے اور ممکن ہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کا اس سطح پر جذبہ محرکہ مذہبی نہیں کچھ اور تھا۔ مزید دلائل وہ یہ لکھتے ہیں کہ

---

[55] اسرار احمد، استحکام پاکستان، ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2022ء، طبع 11، ص 61-59

[56] ایضاً، ص 62

''دیانتدارانہ رائے کے اظہار پر مجبور پاتا ہوں کہ تحریک پاکستان کا اصل جذبہ محرکہ مذہبی نہیں تھا اور اس کے نزدیک اس کا بالکل بیّن اور ناقابل تردید ثبوت یہ ہے تحریک پاکستان کی اصل قیادت عُلیا ہر گز 'مذہبی لوگوں' پر مشتمل نہیں تھی۔ اس قاعدہ کلیہ سے انکار ممکن نہیں ہے کہ کسی تحریک اصل جذبہ محرکہ سب سے زیادہ نمایاں اور گاڑھی صورت میں اس کی قیادت میں نظر آنا لازم ہے۔''[57]

اسی بات کہ توضیح میں کے طور پر وہ پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ صاحب کا واقعہ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے انہیں سنایا، یہ 1942ء میں مسلم لیگ کی قیادت عظمٰی کا اجلاس منعقد ہوا جس کی وجہ سکھوں کا خوف تھا۔ اس بات کی کوشش تھی کہ ان کے ساتھ گفت وشنید سے معاملات کے اصول طے کر لئے جائیں۔ مسلم لیگ کی قیادت میں سے 23 افراد اس اجلاس میں شامل تھے۔ مگر جب نماز مغرب کا وقت ہوا تو اس اجلاس سے کل دو لوگ تھے نماز کی ادائیگی کے لیے اٹھے۔ ان میں ایک تو بیگم مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی اہلیہ جو پردہ یعنی برقع میں ملبوس تھیں اور دوسرے خود پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ صاحب، جو بنیادی طور پر نواب سر شاہنواز ممدوٹ کی علالت کے سبب ان کے نمائندے کے طور پر شریک تھے۔ ڈاکٹر صاحبؒ اس حوالے سے اسلامی سربراہی کانفرنس کا اجلاس جو 22 فروری 1974ء کو لاہور میں منعقد ہوا تھا کہتے ہیں کہ انھیں اس بات کے اعتراف کرتے میں کچھ مانع نہیں ہے اس کانفرنس کے دوران جب پر نماز مغرب کا وقت ہوا تو پروگرام ایسے ہی جاری رہا جیسے کسی کے ذمہ نماز فرض ہی نہ ہو، اس کا کوئی احساس نہ کیا گیا کہ فرض نماز کا وقت آیا اور گزر گیا۔ البتہ ان میں شاہ فیصل شہید جو تاخیر سے اس میں شریک ہوئے اس لئے کے وہ نماز ادا کر کے آئے، اس میں استثناء ہیں۔ اسی طرح قائداعظم کے بارے میں پیر سید جماعت علی شاہؒ صاحب کے حوالے سے مشہور ہے کہ ان سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے محمد علی جناح کے بارے میں کہا کہ ان کو صرف اپنا قومی مقدمہ لڑنے کے لئے ایک وکیل جو قابل، شریف، ماہر اور دیانتدار ہے کے طور پر قبول کیا ہے نہ کہ دینی اور روحانی پیشوا کے طور پر ان کو لیڈر مانا ہے۔ اور تحریک پاکستان میں شامل علماء اور مشائخ کی اس تحریک میں حثیت کے حوالے درج کیا گیا ہے کہ وہ سب صفحہ دوم کے قائدین میں شمار ہو سکتے تھے بلکہ اصل حثیت معاونین کی تھی۔[58]

اس سطح پر تحریک پاکستان کا سب سے قوی جذبہ 'قومی تحریک' کا تھا۔ یہ خوف اور خدشہ تھا کہ بڑی قوم یعنی ہندو چھوٹی قوم مطلب مسلمانوں کے ساتھ انصاف و برابری نہیں کرے گی۔ اس پر ظلم کرے گی، اگر حکومت کرے گی۔ معاشی استحصال کیا جائے گا

---

[57] ایضاً، ص 63

[58] ایضاً، ص 64-65

اسی طرح سماجی اور معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے مسلمانوں کا تشخص کو مٹا دیئے جانے کا بھی قوی امکان محسوس کیا گیا تھا اور ہندو قوم اپنی ایک ہزار سالہ غلامی کا بدلہ لے گی۔

''گویا تحریک پاکستان کا اصل جذبہ محرکہ نہ مذہبی تھا نہ محدود معنوں میں معاشی اور سیاسی بلکہ وہ ایک قومی جذبہ تھا۔ جس نے جملہ تہذیبی و ثقافتی، سماجی و معاشرتی اور معاشی و سیاسی محرکات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔''[59]

تیسری سطح کا تعین اس سوال سے کیا گیا ہے کہ 'اُس چھوٹی قوم کی قومیت کی اصل اساس وبنیاد کیا تھی'؟ اس پر غور سے لا محالہ وہیں پہنچ جائیں گے جہاں سے بات شروع کی گئی تھی کہ مسلمانان ہند کی قومیت کی اساس نہ تو نسل پر قائم تھی، نہ ہی اسے ایک قوم بنانے والی شے زبان تھی، نہ ان کا لباس ایک سا تھا، نہ ہی اکل و شُرب کی کوئی مشابہت اور رسم و رواج مشترک تھے۔ بلکہ ان کی ایک ہی قدر مشترک تھی یعنی 'مذہبی وحدت' ان کو جوڑے ہوئے تھی۔ اسی دلیل کی بنیاد پر ڈاکٹر صاحب تحریر کیا ہے کہ اصلاً مسلم لیگ کوئی مذہبی تحریک نہ تھی، اس سے ظاہر ہے کہ اس کی قیادت بھی مذہبی نہیں تھی۔ لیکن اسے سب سے زیادہ انحصار مذہب پر کرنا پڑا کہ مسلمانان ہند میں وحدت کا شعور بیدار کیا جاسکے اور برصغیر میں مسلمانوں کی اکثریت کو جمع کرنے کے لیے مذہبی نعرہ لگایا گیا یعنی پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔

اس کلام کو سمیٹتے ہوئے قائدین مسلم لیگ کے حوالے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ہمیں کسی کی ذاتی نیتوں کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں، حقائق پر توجہ کرنے کی ہے اور وہ یہ کہ:

''کسی عوامی تحریک کے ضمن میں اصل فیصلہ کسی خاص یا چند اشخاص کے خیالات و نظریات کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اس اس اس پر ہوتا ہے کہ اس میں عوام نے شمولیت کی بناء پر کس تصور کے تحت کی۔ بنا بریں اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا اور کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ پاکستان کی اصل اساس سوائے دین و مذہب کے اور کوئی نہیں ہے اور پاکستان کی واحد جڑ بنیاد صرف اور صرف اسلام ہے!''[60]

خلاصہ مبحث:

- قرار داد مقاصد میں حاکمیت اعلیٰ اللہ (یعنی قرآن و سنت کی بالادستی تسلیم کی گئی ہے)، شورائیت، اسلامی نظام عدل، آزادی اظہار رائے اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اہم نکات ہیں۔

---

[59] ایضاً، ص66

[60] ایضاً، ص67

- آئین میں غیر اسلامی شقیں بھی شامل کی گئیں ہیں ان میں صدر پاکستان کے ماورائے عدالت اختیارات، غیر مسلم جج کا ہونا جبکہ پاکستان نظریہ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا، پارلیمانی گفتگو عدالتی گرفت سے بالاتر ہونا وغیرہ
- ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مطابق تحریک پاکستان کی قیادت میں 'قومی جذبہ' کار فرما تھا جبکہ اس کا اصل سبب اور عوام کو قربانیاں دینے پر مجبور کرنے والی شے 'مذہبی جذبہ' ہی تھا۔ اسی لیے 'پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الّا اللہ' کا نعرہ لگایا گیا۔
- قیام پاکستان سے قبل ہی مسلمانوں میں 'مذہبی اور سیکولر' کی تقسیم ہو چکی تھی۔ پاکستان کی قیادت میں آغاز ہی سے ان لوگوں کا پلہ بھاری تھا جو سیکولر ذہنیت کے مالک تھے۔ عوام کا مذہب سے لگاؤ اور مذہبی عناصر سے قیادت کی کشاکش یا جمہوری روایت کے نتیجے میں کچھ اقدامات اسلام کے مطابق بھی ہوتے رہے۔
- پاکستان کی سیاست آغاز سے اب تک عدم استحکام کا شکار ہے۔ موجودہ دور میں بر سر اقتدار پارٹی کو اس کی مدّت پوری کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ پاکستان نہ تو پوری طرح سے سیکولر اسٹیٹ بن سکا اور نہ ہی اسلام کا قلعہ۔ البتہ عوام کی مذہبی جذباتیت کو بہت سے سیکولر عناصر مذہب کے نام پر استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کر لیتے ہیں، جبکہ اسلام کی طرف عملی پیش رفت تا حال، محض امید ہے۔

1.2.2 مبحث ۲: پاکستان کے سیاسی خدوخال اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا مجوزہ سیاسی لائحہ عمل:

گزشتہ مبحث میں آئین پاکستان اور اس کے ذیل میں قرارداد مقاصد کے حوالے سے پاکستان میں اسلام کے تناظر میں موجودہ سیاسی صورت حال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مبحث ہذا میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا سیاسی نظام کی اصلاح کے لیے مجوزہ سیاسی لائحہ عمل کا بیان اور موجودہ حالات کے تناظر تجزیہ کیا جائے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا دعوٰی ہے کہ ان کا پیش کردہ سیاسی اصلاح کے لیے لائحہ عمل سیرت محمدی ﷺ سے ماخوذ ہے۔ ڈاکٹر صاحب سیرت النبی ﷺ پر مختلف پہلوؤں کے حوالے سے کافی کام ہے جن میں بیشتر آڈیوز، وڈیوز اور کتب شامل ہیں۔ ان کتب میں منہج انقلاب نبوی ﷺ، عظمت مصطفی ﷺ، رسول کامل ﷺ، نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت، رسول انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب، نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں، حُب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے قابل ذکر ہیں۔ زندگی کے آخری ایّام قریباً ایک ماہ قبل کچھ خطبات ریکارڈ کرائے جن کا موضوع 'سیرت خیر الانام ﷺ' تھا، اب یہ کتابی صورت میں بھی ہیں۔ اس وقت اس مبحث کے موضوع کی مناسبت سے ان کا ایک رسالہ رسول انقلاب ﷺ کا طریقہ انقلاب ﷺ جس کی تفصیل ان کی کتاب منہج انقلاب نبوی ﷺ ہے، براہ راست متعلق ہے۔ ان کے علاوہ کچھ فرق کے ساتھ سیرت خیر الانام ﷺ وہ ایک کتاب خطبات سیرت ﷺ بھی اسی موضوع کے متعلق ہیں۔ کتاب منہج انقلاب نبوی ﷺ بنیادی طور پر 1984ء میں ڈاکٹر صاحب کے خطبات جمعہ ہیں جس میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں، انقلاب کے مراحل اور موجودہ سیاسی حالات میں اسلامی انقلاب کے ضمن میں اجتہاد' کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کل دس (10) خطبات اور ایک ضمیمہ ہے۔ مندرجہ ذیل میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مجوزہ سیاسی لائحہ عمل کو انھیں کتب کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔

1.2.2.1 اسلامی انقلاب اور بقیہ انقلابات میں بنیادی فرق:

اسلامی انقلاب اور بقیہ انقلابات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ آلہ انقلاب یعنی انقلاب کا ماخذ و مصدر کیا ہے؟ بقیہ انقلابات عقل انسانی کی بنیاد پر پیش کیے جانے والے 'فلسفہ انقلاب' تھے اور اسلامی انقلاب کی بنیاد 'کتاب اللہ' ہے۔ ڈاکٹر صاحب پاکستان میں اسلامی نظام کی ضرورت واہمیت اور اس کے طریق کار پر اس بات کے قائل تھے کہ اس ملک کے بقا اسلام کے ساتھ منسلک ہے، دوسرے یہ کہ یہاں پر تبدیلی انتخاب یا کسی اور طریق سے اسلام نہیں آسکتا محض انقلابی طریق سے آسکتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ

یہاں سنی آبادی زیادہ ہے اس لیے یہاں سنی تصور خلافت عامہ کے اصولوں پر نظام قائم کیا جائے گا اور چوتھے یہ کہ طریقہ انقلاب، منہج محمد سرور دو عالم ﷺ ہو گا۔ پھر یہ کہ امید واثق رکھتے تھے کہ عالمی غلبہ اسلام کا آغاز اسی خطہ ارضی سے ہو گا۔[61]

1.2.2.2 سیاسی اصلاح کے لیے مراحل:

ڈاکٹر صاحب نے سیاسی نظام کی اصلاح کے لیے چھ مراحل تجویز کیے ہیں۔

- اس کا پہلا مرحلہ ولازمہ نظریہ اور اس کی دعوت ہے، اس ہی کی بنیاد پر وہ تبدیلی لائی جائے گی جو انقلاب برپا کرنا مقصود ہے۔
- دوسرا لازمہ سیاسی نظام کی اصلاح کے لیے جماعت ہے۔ معاشرے میں موجود درجہ بندیوں سے یکسر الگ ہو کر از سر نو درجہ بندیاں کی جائیں گیا اس بنیاد پر کہ جس شخص کی جتنی گہری وابستگی اور قربانی اس نظریے کے ساتھ ہو گی اسی نقطہ نظر سے زیادہ اگلی صفوں میں ہو گا۔ اس جماعت کی دوسری خوبی یہ ہونا بھی لازمی ہے کہ جماعت انتہائی منظم ہو۔
- تیسرے مرحلہ تربیت یعنی ٹریننگ کا ہے۔ تربیت نظریے کی بنیاد پر ہو گی۔ اگر نظریہ مادی ہے تو اس کے اعتبار سے تربیت کی جائے گی اور اگر اسلام ہے تو فکری، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تربیت کی جائے گی، اسی ذیل میں اصلاحی اور انقلابی جماعت کا فرق بیان کیا گیا ہے کہ بنیادی طور پر اصلاحی جماعت میں تصادم کا کوئی مرحلہ وامکان سرے سے آتا ہی نہیں، جبکہ انقلابی جماعت چلتے ہوئے نظام کے خلاف عَلم بغاوت بلند کرتی ہے، نظام میں رکاوٹ کا لازمی نتیجہ تصادم ہے اس لیے ارکان انقلاب کو لازمی طور پر اس طرح کے حالات کے لیے تیار ہونا چاہیے۔
- چوتھا مرحلہ تشدد و تعذیب کے جواب میں صبر محض ہے۔ جب تک ایک قابل لحاظ تعداد جو انقلاب برپا کر سکے، میسر نہ آجائے تب تک اپنے ہاتھوں کو روکے رکھنا اور لوگوں کو دعوت پہنچانا جائے گا۔ اس کی ایک ضرورت مہلت حاصل ہو اور دوسرے عوام الناس کی اکثریت تک پیغام بھی پہنچ جائے گا۔ اکثریت براہ راست انقلابی جماعت کا ساتھ دے یا نہ دے ان کے دلوں اس جماعت کے لیے، ان کے نظریے اور سیرت و کردار کی وجہ سے ہمدردی ضرور پیدا ہو گی۔ یہ انقلاب کے بعد معاون اور باسہولت انقلاب کو قبول کرنے والے ہوں گے۔
- پانچواں مرحلہ اقدام اور چیلنج کا ہے۔ آگے بڑھ کر چلتے ہوئے نظام کو میدان عمل میں اتر چیلنج کرنا مثلاً طبقاتی تقسیم کے خلاف کھڑا ہوا جائے۔

---

[61] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 11-9

- اس کے نتیجے میں چھٹا مرحلہ یعنی مسلح تصادم از خود شروع ہو جاتا ہے۔ نتیجہ تخت یا تختہ ہو گا۔ تیسرا کوئی رستہ نہیں۔ اگر تو سارے لوازماتِ انقلاب صحیح طور پر پورے ہوئے تو نتیجہ مثبت ہو گا۔ آخری مرحلہ تصدیر یعنی وسیع انقلاب، نظریاتی انقلاب سرحدوں کے پابند نہیں ہوتا۔ یہ اس انقلاب کے حقیقی اور نظریاتی ہونے کی علامت ہو گی۔[62]

1.2.2.3 انقلاب نبوی ﷺ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایک ہمہ گیر ترین اور کامل ترین:

انقلاب نبوی ﷺ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایک ہمہ گیر ترین اور کامل انقلاب تھا۔

'ایک ایسا انقلاب عظیم برپا ہو گیا کہ ان کی سوچ بدل گئی، ان کا فکر بدل گیا، ان کے عقائد بدل گئے، ان کی اقدار بدل گئیں، ان کے عزائم بدل گئے، ان کے مقاصد بدل گئے، ان کی آرزوئیں بدل گئیں، ان کی تمنائیں بدل گئیں، ان کے دن بدل گئے، ان کی راتیں بدل گئیں، ان کی صبحیں بدل گئیں، ان کی شامیں بدل گئیں، ان کی زمین بدل گئی، ان کا آسمان بدل گیا۔ یہاں تک کہ اگر پہلے انہیں زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہو گئی۔ جو رہزن تھے وہ رہبر بن گئے۔ جو اُمی محض تھے وہ متعدد علوم و فنون کے موجد بن گئے۔ جو بے شمار ذمائم اخلاق میں مبتلا تھے وہ مکارمِ اخلاق کے معلم و داعی بن گئے۔ جو زانی اور نفس پرست تھے، وہ عصمت و عفّت کے محافظ بن گئے۔ جو بے قید حصولِ معاش کے عادی اور اِسراف و تبذیر کے خو گر تھے وہ مال و دولت کے امین بن گئے۔'[63]

1.2.2.4 سیاسی نظام کی اصلاح کے نبوی ﷺ طریق:

مندرجہ بالا اس بات کا بیان تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق کسی بھی انقلاب کے برپا کرنے کے لیے لازمی ضرورت ہیں۔ یہاں اس کی تفصیل جامع طور بیان کی جائے گی۔

1.2.2.4.1 مرحلہ نمبر ۱ اور ۲؛ نظریہ توحید اور تنظیم سازی:

انقلاب نبوی ﷺ کا اساسی نظریہ توحید تھا۔ اس توحید سے مراد زندگی کے شعبوں میں بنیادی تبدیلی ان میں پہلے سیاسی گوشہ میں یہ فرق واقع ہو گا کہ اللہ کی حاکمیت کا حق اور انسان کے لیے خلافت ہے۔ اسلامی سیاسی تصورات کے مقابلے میں بقیہ جتنی بھی

---

[62] ایضاً، 14تا22

[63] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص22

نظریات سیاست ہیں ان میں بنیادی فرق یہی ہے۔ وہاں حاکمیت کا سرچشمہ عوام یا کوئی فرد یا ادارہ یہ سب اللہ کا غیر ہے۔ جبکہ اسلام حکم کا اختیار سوائے اللہ کے کسی کو نہیں دیتا۔ اسی طرح اجتماعی زندگی کا دوسرا گوشہ معاشی زندگی میں توحید عملی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان جس مال کو اپنا کہتا ہے وہ دراصل اسکا نہیں اس کی حثیت اس مال کے امین کی ہے۔ اصل میں مالک صرف اللہ ہے۔ جو بندے کو اپنے فضل سے عطا کرتا ہے، اس عطا میں تصرف کی جتنی اس نے اجازت دی ہے بس وہی جائز اور حلال ہے۔ تیسرے معاشرتی گوشہ میں کامل مساوات انسانی، مرد اور عورت کو بطور شرف انسانیت ایک دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں سوائے تقوی کے۔ اس لیے کے سب کا خلق ایک ہے اور بطور مخلوق سب برابر ہیں۔

1.2.2.4.1.1 اسلامی سیاسی تنظیم کا تعلق مع القرآن:

تنظیم سازی قرآن کی دعوت پر جمع ہونے والے افراد پر مشتمل ہو گی۔ لہذا دعوت، تبلیغ، تذکیر، انذار اور تربیت و تزکیہ، یہ سب کام ہوں گے بذریعہ قرآن ... تعمیر سیرت کے پروگرام کی تقویت کے لئے ذرائع کے طور پر نماز ہے، روزہ ہے، حج اور زکوۃ ہے، دوام ذکر الٰہی ہے۔ یہ تمام چیزیں در حقیقت انسان کی انفرادی سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے ہیں... البتہ انقلابی نظریۂ توحید کے یہ تین لوازم و نتائج ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ پس اسلامی انقلاب کے لئے اصل میں ان چیزوں کی اہمیت کو واضح، نمایاں اور اُجاگر کرنا ہو گا۔ اگر ان کو نظر انداز کر کے زور ہو جائے محض نماز اور روزے وغیرہ پر تو در حقیقت انقلابی عمل کا آغاز نہیں ہو گا۔ کچھ مذہبی اور اخلاقی اصلاح کا کام ہو جائے گا، کچھ لوگ اچھے مسلمان بن جائیں گے، اور ایسے دوسرے کچھ اچھے کام ہو جائیں گے، اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن انقلابی عمل کا آغاز ہی نہیں ہو سکے گا۔'[64]

1.2.2.4.2 مرحلہ نمبر۳: تربیت افراد بذریعہ قرآن:

'انقلابی تربیت کا نبوی ﷺ منہاج، تربیت و تزکیہ محمدی ﷺ کے عناصر سہ گانہ' میں جماعت کی تشکیل اور تنظیم کے بعد اگلا مرحلہ افراد کی تربیت کا ہے کیونکہ کچے پکے لوگوں کو جمع کر کے اگر کوئی کام شروع کیا جائے، خاص طور پر انقلاب کا کام جہاں تصادم کا شدید ترین مرحلہ بھی آنا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی ناکامی کا سبب پہلے ہی خود فراہم کر لیا ہے۔۔۔۔۔ علامہ اقبالؒ اس کو یوں بیان کرتے ہیں۔

---

[64] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص36

تو خاک میں مل اور آگ میں جل خشت بنے تب کام چلے　　اِن خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ، تعمیر نہ کر!

اور　خام ہے جب تک تو ہے مٹّی کا اک انبار تُو　　پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تُو

اور　بانشّہ درویشی در سازو دمادم زن　　چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن[65]

یعنی پہلے اپنے آپ کو آزمائشوں اور مجاہدہ نفس کے مراحل سے گزار کر اپنے نظریے میں پختگی حاصل کی جائے۔اور نظریہ کے ساتھ خلوص اور پختگی پیدا ہو جائے، نظریاتی ساکھ مضبوط ہو تب پھر اس جماعت کو باطل کے ساتھ ٹکرا دو۔

تربیت کے ہدف کے ذیل میں یہ بات اہم ہے یہ محض انقلاب نہیں بلکہ اسلامی انقلاب ہے۔اس لیے کارکنوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت ضروری ہے۔اگویا کہ اس کی شرط اولین للّٰہیت ہے۔اور اسی للّٰہیت کی بنیاد پر مسلمان اپنے سے 10 گنا بڑی فوج کے مقابلے میں ڈٹ گی اور اسباب دنیا میں خود سے برتر پر ہمیشہ فتح پائی۔جیسے جنگ موتہ میں مسلمانوں کے تین ہزار کے لشکر کے مقابلے میں ایک لاکھ فوج کا مقابلہ کیا۔رسول کریم ﷺ تربیت کا خاصہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے بندگان خدا میں دو متضاد چیزیں جمع فرمادیں۔جو اس سے قبل دو مختلف حیثیتوں، دو مختلف شناخت کے ساتھ معلوم تھیں۔یعنی

"هم رهبان بالليل فرسان بالنهار"

ترجمہ: وہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار تھے۔

راہب دن اور رات دونوں اوقات میں راہب ہی ہوتے ہیں، کبھی ان کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہوتی تھی۔اور اس کے بلکل متضاد فوجوں کو عبادت یا اخلاق سے کوئی سروکار تھا، شراب و کباب اور جہاں فاتح ہوتی وہاں پر کسی عورت کی عزت اور نہ بچوں اور بوڑھوں کی جانیں ان کے ہاتھوں میں محفوظ نہ ہوتی۔لیکن محمد عربی ﷺ کے تربیت یافتہ عجوبہ روزگار سپاہی دنیا کی جزات سے نیاز فاتحین ظلم کے بجائے عدل کرنے والے اور عبادت گزار ایسے کہ ظالم حکمرانوں سے چندے وصول کرنے کہ بجائے ان کا ہاتھ ظلم سے روکنے والے۔وہ اسی اخلاص و محبت اور نظم کے ساتھ مستعد آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔خانقاہی طرز تزکیہ و تربیت میں دراصل انقلاب مطلوب ہی نہیں۔اس بارے میں علامہ اقبالؒ نے کہا

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل　　یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

---

[65] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 51

وہ مسلک مردان خود آگاہ و خدا مست　　یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

ایک تکبیر کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ مجذوب ہو کر بیٹھ جائیں اور آپ کی قوت عمل معطل ہو جائے۔ اور دوسرا نعرہ تکبیر سے مست ہو کر آپ باطل کے خلاف غلبہ دین کے لیے میدان میں آئیں اور اپنی گردن کٹوا دیں یا دین اللہ کو غالب کر دیں۔

قرآن حکیم میں نبی کریم ﷺ کا مقصد بعثت کے بیان کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھیوں کے شان بایں الفاظ بیان کی گئی:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ[66]

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔

محمد الرسول اللہ والذین معہ و کے الفاظ پر غور کیا جائے صحابہ کی تربیت ان کی طریقہ زندگی واضح ہوتی ہے۔ کفر کے مقابل تمام محبتیں اور رشتہ داریاں قطع کر دی گئیں۔ بقول اقبالؒ:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

صحابہؓ نے اپنی زندگیوں بہت ساری مثالیں ہیں۔ جیسے غزوہ بدر میں عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر اپنے باپ کے مقابل میں آئے، اسی طرح ایک طرف ابو طالب کے ایک بیٹے عباسؓ (تب تک مسلمان نہ ہوئے تھے) اور دوسری طرف ادو سرے بیٹے حضرت حمزہؓ، ایک طرف بیٹا حذیفہؓ اور مقابلے میں والد عتبہ، ایک طرف عمرؓ اور مقابلے میں ان کے ماموں تھے۔ اسی طرح جنگ یرموک کا دل گداز واقعہ جو آپس میں 'رحماء بینھم' کی عملی تفسیر ہے۔ صحابہؓ پیاس کی شدت میں موت کے وقت بھی، خود پر اپنے مسلمان بھائی کو پر ترجیح دی، یہاں تک کے شہید ہو گئے۔[67] یعنی دوستی اور دشمنی کا معیار محض اللہ اور اس کا رسول ﷺ قرار اپائے۔

ڈاکٹرؒ اس کے بعد انقلابی نظریات کے استحضار اور انقلابی جذبہ کی آبیاری حزب اللہ کے عناصر سہ گانہ کا بیان کرتے ہیں۔ پہلا عنصر تلاوت قرآن، کتاب اللہ کے ساتھ جس کا جتنا گہرا تعلق ہو گا اتنا ہی نظریہ کے ساتھ اس کا شعوری اور قلبی تعلق مضبوط ہو گا۔ اس سے مراد قرآن اور نماز ہے۔ اس ذیل میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ

---

[66] الفتح:28,

[67] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص62

''یہاں دو چیزیں جمع کر لیں۔ یعنی قرآن اور نماز۔ اس لئے کہ نماز کا جزوِ اعظم بھی قرآن ہے۔ قرآن کا لب لباب سورۂ فاتحہ ہے، اس کی تلاوت نماز کی ہر رکعت میں لازمی ہے۔ اس کے ذریعے سے توحید کے ساتھ ہمارے ذہنی رشتہ کی استواری اور ہمارے عہد کی تجدید ہوتی ہے'۔۔۔ 'لہذا زیادہ سے زیادہ قرآن سے تعلق، زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت، نماز میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنا ضروری ٹھہرایا گیا۔ خصوصاً تہجد کے وقت اس کا التزام ہو اور اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا[68] کے مصداق نمازِ فجر میں قرآن مجید کی طویل قراءت ہو۔ اسی لئے اس کو ''قرآن الفجر'' کا نام دیا گیا''۔[69]

ان عناصر میں دوسرا مخالفت و مجاہدہ نفس بذریعہ عبادات بالخصوص قیام اللیل و تہجد ہے۔ یعنی ارکان اسلام اور اس پر مستزاد تہجد محمد عربی ﷺ اور امت کے اولین اہل ایمان کی سنت ہے۔ قیام اللیل کا مقصد تعلق مع اللہ اور دین و عبادت میں اخلاص کو پیدا کرنے کی بھرپور بندوبست ہے۔ اور رات کا جاگنا نفس کے خلاف قوت فراہم کرتا ہے اور نفسانی خواہشات کچلنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہی قوت ارادی بعد کی منازل کیں صبر و استقامت کا باعث ہو گی۔

تیسرا پہلو حق گوئی پر مخالفت تشدد کا سامنا کرنا، جب کہ دور حاضر میں عبادات، تسبیحات و ظائف کرنے پر مخالفت نہیں ہو گی۔ البتہ جب کسی منکر کے خلاف کا اعلان کیا جائے اور رسم و رواج کی مخالفت کی جائے جو کہ ہندوانہ زندگی سے لیے گئے ہیں تو مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ گھر سے مخالفت شروع ہو کر، اس کو اپنی برادری سے کاٹ دیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ انقلابی تربیت اور اس پر صبر واستقامت دکھانا تیسرا عنصر ہے۔[70]

1.2.2.4.3 مرحلہ نمبر۴؛ صبر محض اور عدم تشدد:

بنیادی طور پر یہ تصادم کا مرحلہ اول ہے جس کا آغاز ہمیشہ انقلاب کے علمبردار کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت یہ پیش کی گئی کہ اسلامی تاریخ کے حوالے سے دو باتیں بڑی خاص اہمیت کی حامل ہیں اوّل یہ کہ 'تصادم' کو منفی سمجھا جاتا ہے۔ اور دوم یہ کہا جاتا ہے کہ 'بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے'! جنگ کے بارے میں معذرت خواہانہ روّیہ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ تصادم کا آغاز انقلاب کے علمبردار کرتے ہیں، کیونکہ ظالم اور استحصالی طبقات ہر گز نہیں چاہیں گے وہ جن ناجائز حقوق کے مالک ہیں وہ ان سے چھن جائیں۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا ہی دراصل اس کو چیلنج کرنا ہے اور تصادم اس کا

---

[68] بنی اسرآئیل:78

[69] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 71- 70

[70] ایضاً 81-69

لازمی نتیجہ ہے۔ آغاز میں چوں کہ انقلابی جماعت مہلت درکار ہوتی ہے جس میں وہ اپنے لئے درست وقت اور تعداد حاصل کرلے۔ جب کہ مخالفین کی طرف سے سب سے پہلے پہل تو استہزاء و تمسخر کیا جاتا ہے، پھر تشدد اور دست درازی کی جاتی ہے اور اس سے بھی بات نہ بنے تو پھر قتل کرنا باطل نظام کی لازمی ضرورت ہے۔ جو مکہ کی سرزمین پر مسلمانوں کے ساتھ یہ سب پیش آیا اس کی مثالیں کثیر ہیں۔

صبر محض کی تین حکمتیں بیان کی گئیں ہیں، نمبر 1 دعوت کا زیادہ سے زیادہ پھیلنا، نمبر 2 دعوت قبول کرنے والوں کو منظم کرنا اور نمبر 3 دعوت قبول کرنے والوں کی تربیت کرنا۔ یہ اس انقلابی لیڈر کی اعصابی جنگ ہوتی ہے۔ اگر جماعت کے ارکان کی طرف سے قبل از وقت جوابی کاروائی ہو جائے تو باطل نظام کے علمبرداروں کو پورا اخلاقی جواز مل جاتا ہے کہ وہ اس تحریک کو کچل دیں۔ سیرت النبی ﷺ میں اس صبر محض کی مثال حضرت بلالؓ اور بقیہ صحابہؓ پر تشدد ہو رہا ہوتا اور وہ مکہ کی سنگلاخ زمین پر گھسیٹے جا رہے ہوتے تھے۔ تو ایک خاموش اکثریت بھی دیکھتی تھی، چاہے وہ حق کا ساتھ دینے کی ہمت نہ رکھتی ہو، ان کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہو گا کہ ان لوگوں کیا قصور ہے؟ جو اتنے باکردار ہیں، یہی کہ یہ ایک ربّ کی عبادت کا دعویٰ کرتے ہیں! اور جب حق کا غلبہ ہو جاتا ہے یہی خاموش اکثریت پرامن وقت میں حق کے ساتھ کھڑی ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ صبر محض کوئی ایسی شے نہیں جو معلوم یا مقبول نہ ہو۔ دنیا کی مختلف تحریکوں نے سیرت النبی ﷺ یہ طریقہ صبر محض کا لیا ہے۔ مثلاً گاندھی نے اس کو عدم تشدد کا نام دیا لیکن اس کو مستقل فلسفہ بنالیا۔ یہ اس کی حماقت تھی یہ مرحلے انقلاب میں سے پہلا مرحلہ ہے۔ جس میں تعداد اور خاموش اکثریت اور تربیت اور نظم اور نظریے کی آبیاری اور مضبوطی کے لیے صبر مطلوب ہوتا ہے۔ اسی طرح سکھوں کی گوردوارہ بندھک تحریک چلائی۔ جس میں عدم تشدد کا فیصلہ کیا کہ ہم ہاتھ بندے رہیں گے ماریں کھائیں گے لیکن پیچھے نہ ہٹیں گے۔ انہوں نے لاٹھیاں پڑھنے پر سر پھٹ گئے زمین پر گر گئے، انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے، بالآخر انگریز کو جھکنا پڑا۔ 21-1920ء میں ترک موالات کی تحریک کے دوران صوبہ بہار کے چوراچوری نامی ایک قصبہ میں پولیس پر تشدد کرنے والے جلوس کے مشتعل افراد کی وجہ سے تحریک ختم کر دی گئی۔[71]

[71] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 85-112

1.2.2.4.3 مرحلہ نمبر۵؛اقدام اور چیلنج:

اس قبل از اقدام دو اہم تقاضے ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔ایک خاموش اکثریت کی ہمدردیاں ساتھ ہونا شروع ہو گئی ہوں، گویا پیغام معاشرے میں پہنچ چکا ہے۔دوسرا منظم انقلابی جماعت کی مطلوبہ تعداد میسر آگئی ہو۔تب باطل اور ظالم استحصالی نظام کے خلاف راست اقدام ہو سکے گا۔اقدام سے باالفاظ دیگر مراد 'جہاد اور قتال' کا مرحلہ میں داخل ہو جانا ہے۔

منٹگمری واٹ (W Montgomery Watt) اور آرنلڈ ٹائن بی (Arnold Toynbee) مستشرقین کے اس حوالے سے آپ ﷺ پر اعتراضات ہیں کہ محمد عربی رسول اللہ ﷺ مکہ میں نبوت کے اوصاف نظر آتے ہیں، کیونکہ وہ عیسیٰؑ کو نبی مانتے ہیں۔وہ دعوت کے مرحلہ میں ہی رہے اور جہاد و قتال کا اور حکومت اور ریاست کا وقت موقع نہیں آیا۔البتہ یہ الگ بات ہے کہ جب وہ اس دنیا میں دوبارہ بھیجے جائیں گے تب ہو گا۔لیکن جب آپ ﷺ کی مدینے کی زندگی کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ وہ بہت کامیاب اور مدبر سیاستدان تھے۔گویا ان کے بقول بطور رسول محمد ﷺ مکہ میں ناکام اور بطور سیاستدان مدینہ میں کامیاب ہوئے (نعوذ باللہ)۔ڈاکٹر صاحب ان کی کوتاہ نظری اور آپ ﷺ کے مشن سے لاعلمی قرار دیتے ہیں، اس میں کیا شک ہے یہ ان کی کجی فہمی یہ بغض ہی ہو سکتا ہے۔بنیادی طور پر یہ انقلاب نبوی ﷺ کے دو مراحل ہیں، ابتدائی اور تکمیلی۔پہلے مرحلے میں منظّم جماعت اور اس کی قابل لحاظ تعداد مطلوب تھی جبکہ دوسرے مرحلے میں باطل کے ساتھ ٹکرا کر اللہ کے نظام کو قائم کرنا تھا۔جس کو غلط طور پر پیش کیا گیا۔[72]

امیر جماعت کے لیے یہ بہت اہم اور نازک مرحلہ ہوتا ہے اگر فیصلہ قبل از وقت ہو جائے دنیاوی اعتبار سے انقلاب ناکام ہو جائے گا یا اگر مطوبہ تعداد نہیں یا اگر تربیت خام ہے تو دنیا میں ناکامی کا سامنا ہو گا۔انبیاء سے غلطی ہونے کا کوئی امکان نہیں جبکہ عام آدمی کا معاملہ مختلف ہے۔اس کی مثال برصغیر میں جبکہ عظیم ترین دور صحابہؓ کے بعد پوری اسلامی تاریخ میں تحریک شہیدین کے ہم پلہ کوئی نہیں ہے۔تحریک شہیدین نے اس مرحلے میں قبل از وقت قدم رکھ دیا تھا۔مقامی لوگوں کی اکثریت کی ناپختہ سیرت و کردار اور عدم تربیت کے باعث یہ عظیم اسلامی تحریک دنیاوی اعتبار سے ناکام ہو گئی۔

سیرت النبی ﷺ میں مرحلہ مدینہ ہجرت کے بعد شروع ہوا۔اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو پسند کیا اور وہاں سے اسلام کی سربلندی کا آغاز ہوا۔سورۃ الحج دوران ہجرت نازل ہوئی جس میں قتال کا حکم دیا گیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کے اسلامی ریاست کا ملکوتی منشور نبی کریم ﷺ کو دیا گیا ہے۔پہلے چھ ماہ داخلی استحکام، جس میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر، مواخات مدینہ اور یہودیوں اور دوسرے

---

[72] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص117

قبائل کے ساتھ امن معائدے جس کی رو سے وہ پابند ہو گئے اور مدینہ ایک وفاق کی صورت اختیار کر گیا۔ قبائل جو کے ساتھ معاہدات کی وجہ سے بھی مکہ والوں کی سیاسی قوت پر اثر پڑا۔ یہاں سے راست اقدام کا مرحلہ شروع ہوا۔ عمومی تاثر یہ ہے کہ حق و باطل کا پہلا معرکہ غزوہ بدر تھا جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ بدر سے قبل آٹھ مہمات فوجی مہمات جس میں سے چار میں خود بنفس نفیس شریک ہوئے۔ جس کا پہلا مقصد اہل مکہ کی معاشی ناکا بندی تھا۔ کیونکہ ان کا دار و مدار تجارت پر تھا اور ان کا تجارتی راستہ مدینہ سے گزرتا تھا۔ چنانچہ رستوں پر ان مہمات کو بھیجا اور یہاں پر اپنی موجودگی کا احساس مکہ والوں کو دیا گیا کہ اب وہ اپنے دین جھوٹے دین جس کی بناء پر وہ سارے عرب میں سیاسی بالادستی قائم کیے ہوئے تھے، ان کو یہ پیغام دینا کہ اب یہ نہیں ہو گا۔ دوسرا مقصد قریش کی سیاسی ناکہ بندی تھی وہ یہ کہ قریش پورے عرب میں ایک مرکزی قبیلے کے طور پر مانا جاتا تھا۔

غزوہ بدر کی اصل وجہ بھی یہی مہمات تھیں۔ انھیں مہمات میں ایک اس قافلے کی طرف بھیجی گئی جو ابو سفیان کی سرکردگی میں شام جا رہا تھا۔ مکہ والوں کا بہت سا سرمایہ اس میں تھا۔ دوسری وجہ وہ مہم جو وادی نخلہ میں عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں مکہ اور طائف کے درمیان یہ حکم دے کر بھیجا گیا کہ قریش کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھے۔ اور قافلوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کا اور اس کی خبر پہنچانے کا حکم دیا۔ یہ وادی طائف سے واپسی پر وادی نخلہ میں جسے وادی جن بھی کہا جاتا ہے، رُکے۔ وہاں مسلمانوں کی قریش کے قافلے کے ساتھ مڈ بھیڑ ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں مشرکین کا ایک بندہ عمرو بن حضرمی مارا گیا اور یہ جنگ کے دو اسباب جمع ہو گئے۔ یوں اقدام مسلح تصادم میں کے مرحلہ میں داخل ہو گیا۔[73]

1.2.2.4.4 مرحلہ نمبر۶؛ تصادم یا مسلح کشمکش یعنی قتال فی سبیل اللہ:

اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے سیرت نبوی ﷺ میں سے غزوات کو اس مرحلہ میں شامل کیا ہے۔ اور یہ سیاسی نظام کی تبدیلی کے لیے (Initiative) اقدام وہی کرتا ہے جسے نظام کو تبدیل کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ میں اور مدینہ میں بھی آپ ﷺ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ مسلح تصادم کے ذیل میں ڈاکٹر صاحب نے بدر، احد و احزاب کی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس میں انقلابی جماعت کے نظم کے نقطہ نظر سے امیر کی اطاعت کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ غزوہ احد میں مشورہ کے بعد جب مشرکین کے لشکر پر فوری فتح کے بعد صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت جو پہاڑ پر مقرر تھی ان سے وہاں کے مقامی امیر کی حکم کی میں نافرمانی ہو گی اور نظم ٹوٹ گیا اور فتح شکست میں بدل گئی۔ اسی ذیل میں اسلام میں نظم کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب اس کو مزید کھولا ہے۔ اس بارے میں بیعت عقبہ ثانیہ میں جو الفاظ گئے و حدیث ہے امام بخاری امام مسلم نے روایت کی ہے۔

---

[73] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 115-143

عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتؓ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لاَّ نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

''حضرت عبادۃ بن الصامتؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی کہ ہم حکم سنیں گے اور مانیں گے، خواہ مشکل ہو خواہ آسان، خواہ ہماری طبیعت کو خوش گوار لگے خواہ ناگوار ہو، خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے۔ اور جس کو بھی ہم پر امیر بنادیا جائے گا ہم اس سے جھگڑیں گے نہیں، اور ہم حق بات کہتے رہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں اور اللہ کے معاملہ میں (حق کہنے سے) کسی ملامت گر کی ملامت سے ہر گز نہیں ڈریں گے''۔

اور اطاعت امیر جو کسی مقرر کیا جاتا ہے اس حوالے سے احادیث بخاری و مسلم ہے۔

مَنْ اَطَاعَنِي فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ اَطَاعَ اَمِيْرِي فَقَدْ اَطَاعَنِيْ وَمَنْ عَصٰى اَمِيْرِي فَقَدْ

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے معین کردہ امیر کا کہا مانا، اس نے میرا کہا مانا اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی''۔

اسی ذیل میں اسلامی نظم جماعت کا نبوی ﷺ طریقہ کار بیعت کو قرار دیتے ہیں۔ اس حوالے سے علامہ اقبال کا اقتباس لکھا ہے کہ 'یہ امت ناقہ بے زمام بن گئی ہے، سمع و طاعت کا نظام کہیں قائم نہیں ہے' اور یہ بات اسی پر منتج ہو ہی کہ آج امت میں انتشار پھیل چکا ہے۔[74]

آپ ﷺ نے غزوہ الاحزاب میں کی بطور لیڈر اور رہنما کے ایک عملی رہنمائی فرمائی۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ نے بطور سپاہ سالار اور لیڈر کے بذات خود خندق کھودنے میں حصہ لیا اور ایسی بلند درجے کی مثال قائم کی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ صحابہ بھوک سے نڈھال تھے اور انھوں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھنا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ صحابہؓ کرامؓ خندق کی کھدائی کے دوران جماعتی زندگی اور نظم جماعت کا بیان بایں الفاظ فرما رہے تھے۔ جو آج کسی بھی سیاسی جماعت کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ — فَاغْفِرِالْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا — عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا!

---

[74] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص178

نبی کریم ﷺ اندریں حالات میں اللہ کی مدد و نصرت آئی اور لشکر تلپٹ ہو گئے تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَنْ تَغْزُوْكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ

اب کے بعد قریش تم پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے بلکہ تم ان پر حملہ کرو گے۔

آپ ﷺ کا یہ تاریخی ارشاد گرامی دور اندیشی، تدبّر اور حالات و واقعات سے جان کاری کی اعلیٰ مثال ہے۔ عرب میں تکمیل انقلاب کی تمہید فراست نبوی ﷺ کا شاہکار اور فتح مبین یعنی صلح حدیبیہ سے ہوا۔ ڈاکٹر صاحب صلح حدیبیہ کے حالات و واقعات پر کلام کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کا ان حالات میں عمرہ کے لیے ایک بڑا خطرہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خواب دکھایا آپ ﷺ کے ساتھ مسلمان جان ہتھیلی پر رکھ کر مکہ روانہ ہوئے دوسری طرف قریش نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا، جنگ کے لیے اپنے حلیف قبائل کو جمع کر لیا۔ اس پر آپ ﷺ نے مدبرانہ انداز میں صلح کا پیغام بھیجا جو کے قریش نے اپنے سفیر آپ ﷺ کے پاس اور نبی کریم ﷺ نے اپنے سفیر حضرت عثمانؓ کو قریش کی طرف بھیجا۔ ان سے قبل بدیل بن ورقا خزائی اور عروہ بن مسعود ثقفی یہ کوششیں کر چکے تھے۔ قریش کے جوشیلے افراد ہر گز جنگ کے سوا کچھ نہ چاہتے تھے۔ سفارت کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھی اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں خبر کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ اس پر نبی کریم ﷺ بیعت لی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ بنیادی طور پر رسول اللہ ﷺ نے اس حکمت کے تحت لی گی کہ بیعت کا یہ اصول اور یہ عمل آنے والوں کے لئے سیرت مطہرہ علی صاحب الصلاۃ والسلام میں بحیثیت سنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثابت ہو جائے۔ بیعت رضوان اس بات کی روشن دلیل ہے کہ کسی موقع پر یا کسی اعلی مقصد کے لیے جیسے ہجرت اور جہاد کے لیے بیعت سنت سے ثابت ہو جائے۔ کیونکہ جب صحابہؓ محمد عربی ﷺ کو اللہ کا رسول مان چکے تھے تو اب کسی مزید بیعت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ اس حدیث کے اصول سے یہ مستنبط ہوتا ہے کے اعلاء کلمۃ اللہ، اقامت دین، اظہار دین الحق کے لیے جو بھی اجتماعیت وجود میں آئے ان کے لیے سنت بیعت ہی ہے۔ بہر حال اندریں حالات میں اللہ تعالی نے اس سے فتح مبین برآمد فرمائی۔

صلح حدیبیہ کے ثمرات یہ ہوئے کہ اندرون عرب امن و امان قائم ہو گیا۔ عمومی طور پر عرب اسلام کی طرف چلے آئے۔ جن میں کہ اسلام کی بڑی بڑی شخصیات جیسے حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن عاص پھر اسی زمانہ میں اندرون عرب مختلف وفود بھجوائے گے اور بیرون عرب دعوتی خطوط کے ذریعے آپ ﷺ نے اسلام کا پیغام پہنچایا۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ فتح بنیادی طور پر ظاہری اعتبار سے تو مسلمان ایک عسکری قیادت کے طور پر فریق عرب میں ایک مضبوط سیاسی اور عسکری فریق کے طور پر مانے گے تھے۔ لیکن حقیقی اعتبار سے اللہ نے سورہ فتح میں بیان فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے واضح فتح ہے یعنی معنوی اعتبار سے یہ فتح تھی۔ اس دلیل میں یہ اس کے بعد کوئی غلبہ اسلام کے راستے میں حائل نہ ہو سکا۔ عام لوگوں کے لیے اسلام کی قبولیت میں

رکاوٹ ختم ہو چکی تھی اور اب کوئی مسلمان ہوتا تو اس پر کوئی اور مصائب نہ تھے۔ اور یہ کہ اس دور میں اسلام کو بہت تیزی سے پھیلا۔[75]

1.2.2.5 اندرون عرب سیاسی تکمیل:

اندرون عرب سیاسی غلبے کی تکمیل فتح خیبر اور فتح مکہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً میں ابتداً یہود قبائل کیساتھ آپ ﷺ کے باہمی معاملات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کہ ان کے مختلف معاہدوں کی خلاف ورزیوں کی بناپر تینوں قبائل کو مدینہ بدر کر دیا گیا۔ صلح حدیبیہ تقریباً دو سال قائم رہی۔ قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر کا امن معاہدہ کے خلاف بنو خزاعہ پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دینا اور اس پر مستزاد قریش کا حملہ میں بنو بکر کیساتھ تعاون بھی شامل تھا۔ اس معاہدے کے ختم ہونے کی بنیادی وجہ بنی، جس میں دس سال جنگ بندی قریش اور مسلمانوں کے درمیان ان کے حلیف قبائل کے ساتھ طے پایا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ بات سن کر نہایت رنج ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے قریش کے پاس حجت قائم کرنے کے لئے قاصد بھیجا، جس میں تین شرائط درج فرمائی۔ پہلی یہ کہ مقتولوں کا خون بہا ادا کر دو۔ دوسری یہ کہ اگر تم اس کے لیے تیار نہیں ہو تو بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ تاکہ ہم ان بدلہ لے لیں، تیسری شرط یہ تھی کے اگر یہ شرائط منظور نہیں تو صلح ختم کرنے کا اعلان کر دو۔ چنانچہ قریش نے تیسری بات کو منظور کر لیا۔ ابو سفیان اور چند اکابر جو معاملہ فہم تھے کو جلد احساس ہو گیا کہ قریش کا یہ فیصلہ جذباتی ہے، صلح قائم رہنی چاہیئے۔ ابو سفیان مدینہ گئے مختلف حوالوں سے صلح کی کوشش کی گئی لیکن سب رائیگاں ہو گئی۔ حضور ﷺ نے جنگ کی خفیہ تیاری شروع فرمادی اور سمت کا اعلان نہیں فرمایا۔ چنانچہ دس ہزار قدسیوںؓ کے ساتھ مرحلہ تصادم جو چھ سال جاری رہا جو اپنی انتہا کو پہنچا اور مکہ فتح ہو گیا۔ آپ ﷺ کی رافعت و رحمت کا مظہر یہ کہ معافی کا اعلان عام فرمادیا۔ یہاں تک کہ حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے والا وحشی، بعد وحشی رضی اللہ عنہ ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے اس دن کو یوم النحر کہہ دیا آپ ﷺ نے اس کو یوم المرحمہ قرار دیا۔ تمام بتوں کو کعبۃ اللہ کے اندر سے ختم فرمادیا کعبۃ اللہ کی دیواروں سے تمام تصاویر کو مٹادیا۔ اس معرکہ تصادم میں کل تین صحابہؓ اور تیرہ مشرک قتل ہوئے۔ یہاں پر آکر انا فتحنا لک فتحا مبینا اپنے کمال اور تمام ہو گیا۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل ہو گئی۔[76]

---

[75] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص195-224

[76] ایضاً، ص195-224

1.2.2.6 سیرت النبی ﷺ میں سیاسی تبدیلی اہم سنگ ہائے میل:

تکمیل نظام سیاست اور مخالف قوتوں کا آخری قلع قمع، ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا میں اہم سنگ میل (Turning Points) کے حوالے سے کچھ ایسے واقعات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ جس نے پوری تحریک کا رخ بدل دیا۔

ان میں ایک واقعہ جس کے بارے میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اپنی کتاب 'النبی الخاتم' میں لکھتے ہیں کہ سفر طائف ایک اہم سنگ میل (Turning Points) ہے۔ حضرت عمرؓ کا اکابر صحابہؓ کے مشورے سے اسلامی تقویم کا 'واقعہ ہجرت' سے آغاز فرمانا بھی اس بات پر دلالت ہے آپؐ کے نزدیک ہجرت ایک اہم موڑ (Turning Points) کی حیثیت حاصل ہے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ کا یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمانا کہ 'آج کے بعد تم پر قریش حملہ نہ کریں گے، بلکہ تم ان پر چڑھائی کرو گے'۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال آپ ﷺ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے جو صلح حدیبیہ پر منتج ہوا، جو در حقیقت فتح مکہ کی تمہید بنی۔

آپ ﷺ کا مقصد بعثت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تین مرتبہ سورہ توبہ، سورہ صف اور سورہ فتح میں بایں الفاظ دوہرایا

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ؕ[77]

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے ہر ایک دین پر غالب کرے، اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں۔

دراصل آپ علیہ السلام کی ساری محنت اسی مشن 'اللہ کے دین کو غالب کرنا' کے تحت صرف ہوئیں۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں ان کی کوتاہ نظری اور آپ ﷺ کے مشن سے لاعلمی قرار دیتے ہیں۔ وگرنہ یہ سب انقلاب ہی کہ مراحل باہم مربوط ہیں۔ ختم نبوت کی ذمہ داری کا لازمی تقاضا دین حق پر انفرادی واجتماعی زندگی میں عمل اور غالب و قائم کر کے دکھا دینا تھا۔ تاکہ آپ ﷺ نظیر اور مثال پیش فرمادیں اور نوع انسانی پر ابدالآباد تک کے لیے حجت قائم ہو جائے۔ چنانچہ اس کے پیش نظر نظام کو بیخ وبُن سے اکھاڑ کر ایک صالح نظام قائم فرمایا گیا۔ جس سے یہ مختلف مراحل ہیں۔ آغاز دعوت و

---

[77] توبہ؛33، الفتح:28، الصف:9

تبلیغ سے ہوا، اس کے بعد جمعیت۔ جو منظّم اور تربیت یافتہ تھی۔ پہلے چار مراحل دراصل ایک ہی مرحلہ ہیں اور دوسرے حصے میں قتال اور باطل کے ساتھ پنجہ آزمائی۔

صلح حدیبیہ ایک بہت اہم سنگ میل کی حثیت رکھتا ہے۔ اس میں بہت ساری مصلحتیں پیش نظر تھی پہلی مہلت حاصل کرنا جس میں ایک منظم جماعت تیار ہو جائے، دوسری باطل یعنی قریش کو انقلابی جماعت کے خلاف اقدام کرنے کا جواز فراہم نہ کرنا۔ صلح حدیبیہ کے بعد صورت حال بدل گئی، اس میں اسلام تیزی سے پھیلا، اسلام اور مسلمان مضبوط تھے چنانچہ ابتداً مشرکین نے معاہدہ توڑا مسلمانوں پر کوئی اخلاقی ذمہ داری نہ تھی۔ اندریں حالات آپ ﷺ نے اس بات کو جانچ لیا کہ باطل کو مزید مہلت دی جائے گی تو زیادہ مضبوط ہو گا، اس لیے اسے مہلت دینے کی کوئی ضرورت تھی نہ کوئی حاجت۔ چنانچہ صحیح موقع پر اقدام فرمایا اور مکہ فتح ہوا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کی کے دو بعثتیں ذکر کیا گیا پہلی عربوں کی طرف دوسری عجمیوں کی طرف یعنی کل نوع انسانی کی طرف تا قیام قیامت۔ اور اہل عرب میں انقلاب کی تکمیل اور مشرکین کے لیے سورۃ توبہ کی ابتدائی ایات کی رو سے اہل عرب کو دو میں سے ایک بات کو اختیار کرنا لازمی قرار دیا گیا یا تو مسلمان ہو جائیں یا اپنے معاہدے کی مدّت پوری ہونے پر عرب چھوڑ دیں۔ یہ اللہ کی نافرمان قوموں کے لیے ہمیشہ سنت رہی ہے کہ جب اتمام حجت ہو جائے تو اس کے بعد عذاب استحصال آتا ہے۔[78]

1.2.2.7 سیاسی غلبے کی توسیع و تصدیر کا مرحلہ:

و ما ارسلناک الآا کافة للنّاس بشیرا ونذیرا

حقیقی انقلاب کی خاصیت یہ ہے کہ حقیقی انقلاب جغرافیائی حدود کا پابند نہیں ہوتا بلکہ نظریات پھیلتے ہیں۔ اور یہ اس کے حقیقی ہونے کا لازمی ثبوت ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال تو اسلام کی ہے جو عرب میں آیا اور اس کے بعد پھیلتے پھیلتے وہ تھوڑے عرصے میں تقریباً آدھی دنیا تک پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کا انقلاب کامل تھا اس بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

'چنانچہ نہ صرف یہ کہ اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں میں انقلاب آگیا یعنی معاشرتی، سماجی، سیاسی، معاشی، عدالتی، دستوری اور آئینی غرضیکہ وہ تمام شعبے یکسر بدل گئے جو اجتماعیاتِ انسانی سے متعلق ہیں، بلکہ انفرادی زندگی بھی پورے طور پر اس کی لپیٹ میں آگئی تھی، چنانچہ اخلاق بدل گئے، عقائد بدل گئے، صبح و شام کے معمولات اور رہن سہن کے طور طریقے سب بدل گئے۔ مختصراً یہ

[78] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 255-293

کہ ایک ایسا انقلاب جو پوری انسانی زندگی کو اپنی گرفت اور اپنے احاطہ میں لے لے، یعنی جسے ہم کامل انقلاب (Complete Revolution) کہہ سکیں، وہ تو صرف انقلابِ محمدی ﷺ ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں برپا کیا تھا۔'[79]

لیکن اس کے علاوہ کسی درجہ میں کوئی انقلاب ہیں تو ان میں دو انقلابات قابل ذکر ہیں۔ ایک ہے انقلابِ فرانس، جس کے نتیجہ میں سیاسی ڈھانچہ بدل گیا تھا۔ یعنی ملوکیت کا دور ختم ہوا اور جمہوریت کا آغاز ہوا۔ اسی طرح دوسرا انقلاب روس یعنی بالشویک انقلاب جس کے نتیجہ میں معیشت کا پورا ڈھانچہ بدل گیا، تمام ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت سے نکل کر اجتماعی ملکیت میں لے لئے گئے۔ ان کے انقلاب ہونے کا لازمی تقاضا ان کے نظریات کا اپنی حدود سے باہر نکلنا ہے۔

البتہ مسلمانوں کی ذمہ داری اس لحاظ سے بہت ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت آفاقی ہے، آپ ﷺ نے خود عرب کی حد تک تو اتمام حجت فرمادیا اور اقامت دین فرمادیا۔ البتہ کل نسل آدم تک اس کا اتمام اور دین کا پیغام پہنچانا جیسے آپ ﷺ نے پہنچایا، اللہ کے نظام کو قائم کرکے، ابھی مسلمانوں کی ذمہ باقی ہے اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے:

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے　　نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اب یہ فریضہ امت کے ذمے ہے تو دعوت و تبلیغ کے ذریعہ لوگوں تک اللہ کا دین پہنچائے اور میں اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کے دین کو بالکل غالب اور قائم کرے تاکہ لوگوں پر قیامت کے دن امت کے خلاف گواہی نہ دے سکیں۔

آپ ﷺ بین الاقومی سطح پر انقلاب کی تصدیر کا آغاز بانفس نفیس فرماگئے۔ ان میں وہ خطوط جو اس وقت کے قبائل اور ریاستوں میں بھیجے گئے۔ بین الاقوامی مرحلے کا آغاز بھی اسلام کی تبلیغ ہی ہے۔ لیکن یہ ان کے امراء اور رؤسا کو پہلے پیغام دیا گیا۔ آپ ﷺ نے جن صحابہؓ کو خطوط دے کر بھیجا ان کو مسجد نبوی میں بلا کر بیان فرمایا:

'اس خطبہ میں حضور ﷺ نے اسی حقیقت کو بیان کیا کہ میری بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام جہان والوں کے لئے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا ہے، بفحوائے آیت قرآنی: وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ[80] میں نے اب تک دعوت

---

[79] ایضاً، ص 297-298

[80] الانبیاء: 107

تمہیں پیش کی ہے۔ اب اے مسلمانو! تمہارے ذمہ ہے کہ تم اس دعوت اور پیغام کو لے کر تمام اطراف واکناف عالم میں پھیل جاؤ اور اللہ کی توحید کو عام کرو۔ گویا نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلہ کا افتتاح اس خطبہ کے ذریعہ فرمایا'۔[81]

اس کے بعد خطوط دے مختلف امراء اور بادشاہوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ جس کی تفصیل یہاں مطلوب نہیں۔ بین الاقوامی توسیع کے سلسلے میں جنگ مؤتہ اور غزوہ تبوک بھی خصوصی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ترین حالات میں اس مشن کو جاری رکھا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے مسلمانوں سے گواہی لی کہ میں نے تم تک اللہ دین پہنچادیا جس پر مسلمانوں اس بات کا اقرار کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارے پاس امانت ہے اس کو ان تک پہنچاو جو یہاں موجود نہیں۔ گویا کہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کر دی اور بین الاقومی انقلاب کا آغاز فرما کر اس کے تکمیل کی ذمہ داری امت کے ذمہ کر دی۔[82]

خلاصہ مبحث:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ سیاسی اصلاح کے لیے جو لائحہ عمل پیش کرتے ہیں اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

- حضرت محمد ﷺ کا پیش کردہ نظریہ سیاسی وحی کی بنیاد پر تھا اور اس کا پہلا مرحلہ نظریہ و دعوت کا ہے، یہ اصلاح یا انقلاب ہمہ گیر اور کامل تھا۔
- دوسرا مرحلہ جماعت سازی ہے، نظریاتی بنیادوں پر عملی جدوجہد کے لیے قربانیاں لازمہ ہیں اور اس کام کے لیے پختہ افراد کار درکار ہوتے ہیں، جو چلتے ہوئے نظام کو بدل سکیں۔ اسکی مثال آپ ﷺ کا مکی دور ہے۔
- تیسرا مرحلہ تربیت قرار دیا گیا ہے، وہ افراد کار اس نظام میں رہتے ہوئے اپنے نظریئے کی دعوت بھی دیں اور اس نظام کی خرابیوں کو بتا سکیں اور اس کے نتائج کو برداشت کر سکیں۔ جیسا کہ صحابہؓ نے مکی دور میں کیا۔ یہی طریقہ کار ان کی تربیت کا باعث ہوگا۔
- چوتھا مرحلہ صبر محض کا ہے یعنی یہ جماعت جسے ایک خاص وقت اور تعداد حاصل کے لیے صبر اور استقامت کے ساتھ مخالفت برداشت کرنی ہوگی۔ سیرت نبوی ﷺ میں ہجرت سے قبل کا سارا عرصہ اس میں شامل ہے۔

---

[81] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص306

[82] ایضاً، ص297-332

- اس کا پانچواں مرحلہ اقدام ہے۔اس مراد مخالف سیاسی قوت کو چیلنج کرنا، یعنی اسے اس نظام کو ترک کرنے یا مقابلے کی دعوت دینا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ میں ہجرت کے بعد سے لے کر غزوہ بدر تک کا عرصہ اس میں شامل ہے۔
- چھٹا مرحلہ مسلح تصادم کا ہے جو اقدام کا لازمی نتیجہ ہے۔اس کا نتیجہ لامحالہ نظام بدلنے اور اس کی سیاسی اصلاح کے خواہش مند لوگ یا تو اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے یا بالکل کچل دیئے جائیں گے۔اسم کو سیرت ﷺ میں فتح مکہ کا موقع قرار دیا گیا ہے۔
- ڈاکٹر صاحب نے انقلاب کے بعد کا بھی ایک مرحلہ بیان کیا ہے جسے تصدیر انقلاب یا توسیع انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔اس سے مراد یہ کہ ان کے مطابق حقیقی انقلاب جغرافیائی حدود کا پابند نہیں ہوتا بلکہ نظریات پھیلتے ہیں۔اور یہ اس کے حقیقی ہونے کا لازمی ثبوت ہے۔اس کی سب سے بڑی مثال تو اسلام کی ہے جو عرب میں آیا اور اس کے بعد پھیلتے پھیلتے وہ تھوڑے عرصے میں تقریباً آدھی دنیا تک پہنچ گیا۔

1.2.3 مبحث ۳: پاکستان کے سیاسی حالات پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مجوزہ لائحہ عمل کا انطباق:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے بیان کردہ منہج انقلاب نبوی ﷺ میں اقدام اور مسلح تصادم کا متبادل بیان کیا گیا ہے۔

1.2.3.1 عہد رسالت مآب ﷺ اور دور حاضر میں دو فرق:

متبادل کیوں اپنایا جائے ؟اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے موازنہ کیا جائے تو دو فرق ہیں۔ پہلا فرق نبی کریم ﷺ کے دور میں مسلمان بامقابلہ مشرک اور کافر تھے اور کافرانہ معاشرے کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی جنگ تھی۔ یہاں صورتحال اس سے بالکل مختلف ہے وہ یہ کہ حکمران اور عوام مسلمان قانونی طور پر مسلمان ہیں۔ کوئی شرابی، زانی ہو، قمار باز ہو بہر حال کلمے کا حصار اور ڈھال حاصل ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ انسانی تمدنی ارتقاء کے زیر اثر اب کسی ملک کی حکومت تمام وسائل پر قابو رکھتی ہے اور عوام بالکل نہتے ہو گئے ہیں۔ ان کی قوت کا بہت زیادہ فرق ہو گیا ہے۔ مسلح تصادم ممکن نہیں ہو گا۔ اس بنا پر اسلامی تحریک پانچواں مرحلہ میں جو اصل میں ان چار مساوی مراحل کے بعد کا دوسرا مرحلہ ہے، اقدام سے پہلے چار مراحل میں کوئی فرق واقع نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اقدام کیسے کیا جائے گا؟ اور اس کے نتیجے میں مسلح تصادم کی کیا صورت پیدا ہو گئی ؟ یہ مندرجہ بالا دو وجوہات کی بنا پر ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

مثال کے طور پر ایک معاشرے میں لوگ اسلام کی انقلابی دعوت کو سمجھ کر کسی تحریک کے ساتھ مناسب تعداد میں جمع ہو جائیں، ان کی تربیت انھیں اصولوں پر ہو، وہ اپنی جانوں اور اپنے گھر میں امکان بھر اسلام کو نافذ کر رکھا ہے۔ اور اس بات کی امید اور اعتماد ہے کہ کل نظام برپا ہونے کی صورت میں ان کا تزکیہ ہو چکا ہے۔ اس نظام کو اللہ کے لیے قائم کریں گے اور مشکلات سے گزر کر انہوں نے اپنی اس بات کو ثابت بھی کیا ہے کہ وہ اسلام کے داعی ہیں۔ اور اجتماعی طور پر اس جماعت کی صفات میں پہلی بات فرقہ واریت اور رائج الوقت نظام میں جزوی اصلاح کے لئے نہ اٹھی ہو۔ دوسرے یہ کہ توحید کے نفاذ کے لئے معاشرے میں علمی اور عملی دونوں اعتبارات سے جدوجہد ہو۔ اور ایک منظم، سمع وطاعت کی بنیاد پر معتدبہ تعداد وجود میں آجائے۔ اس میں نبوی ﷺ کے دور کی جھلک نظر آنا ضروری ہے۔[83]

---

[83] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 341-335

1.2.3.2 مسلح بغاوت کی شرعی حیثیت:

اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ایک غلط فہمی ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے میں مسلح اقدام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے متفق علیہ نہیں۔ اس بات کو اگر مان لیا جائے کہ کسی بھی حالت اور کسی بھی صورت میں خروج ممکن نہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ فساق وفجار کی حکومت کبھی ختم نہیں ہو گی۔ ان کو دوام دینے کے مترادف اقدام فرمایا، تو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ ان حضرات کا اقدام خلاف شریعت ہے یا کوئی ناجائز تھا۔ البتہ اجتہادی غلطی کا ہونا ایک الگ بات ہے اور ناجائز ہونا الگ بات ہے۔ اس حوالے سے ہمارے سلف و خلف کے علماء ربانی کی یہی رائے ہے کہ ناپسندیدہ مسلمان حکومت کے خلاف خروج کی دین میں گنجائش ہے۔ البتہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ موقع و محل بھی مناسب ہے یا نہیں۔ البتہ یہ اجتہادی بات ہے کے نتیجے میں خطا اور صواب دونوں کا امکان موجود ہے۔

خروج کے بارے میں احناف کا موقف یہ ہے یہ جائز ہے امام ابو حنیفہؒ انہوں نے اپنی میں نے اپنی زندگی میں نفس زکیہ کی تائید فرمائی، ان کی مالی اعانت بھی کی۔ جنہوں نے بنو عباس کے خلاف خروج کیا تھا۔ البتہ اس کی شرائط بہت کڑی ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ حکمرانوں سے کسی ایسی بات کا برملا، اجتماعی سطح پر ظہور ہو رہا ہو جو خلاف اسلام ہے۔ اس کی ذاتی زندگی کے حوالے سے یہ غلط تو ہے لیکن اس کا ذاتی فعل ہے جو ناجائز ہے لیکن اس بنیاد پر خروج نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ شراب کی ترویج کر رہا تو اس کو معزول کرنے کے لیے قوت فراہم کرنا بالکل جائز اقدام ہو گا۔ دوسرے یہ کہ نظام کو بدلنے کے لیے جو لوگ اٹھیں ان کے اثرات اتنے زیادہ ہوں کہ وہ یہ یقین رکھتے ہوں کہ ہم تبدیلی برپا کر دیں گے۔ اگر تھوڑی طاقت کے ساتھ تصادم کریں گے تو اس صورت میں نظام تبدیل نہ ہو گا۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ موجودہ دور میں اس بات کا امکان موجود نہیں کہ مسلح تصادم کیا جاسکے۔ ریاستی اداروں کی تنخواہ دار فوجی، جدید اسلحہ، کثیر تعداد میں تربیت یافتہ فوجی اور کفیت کے اعتبار سے بھی اور کمیت کے اعتبار سے بھی کوئی نسبت تناسب نہیں۔ ان حالات کے پیش نظر بغاوت کا موضوع حالات کے اعتبار سے خارج از بحث ہو چکا ہے۔ شریعت کے اعتبار ایسا اب بھی اگر ممکن ہو تو جائز ہے۔[84]

1.2.3.3 تمدنی ارتقاء کی دو اہم تبدیلیاں:

تمدنی ارتقاء سے پیدا شدہ دو اہم تبدیلیاں ایک قبل بیان ہو چکے ہیں۔ وہ یہ کہ وسائل اور قوت میں تفاوت عوام اور حکومت کی، اور دوسرے ریاست حکومت کا فرق ہے جو آج سے دو سال قبل کی بات ہے۔ مثلاً پاکستان ایک ریاست ہے، اس کو چلانے والی مختلف

---

[84] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشر واشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص344-341

حکومیتں آتی جاتی رہتیں ہیں۔ یہ وقتی اور عارضی انتظام ہے مستقل نہیں۔ کسی خاندان کی بادشاہت یہاں پر مسلسل قائم نہیں رہ سکتی۔ تمدنی کا ارتقاء اور فکر انسانی کی وسعت کے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ کسی حکومت کو بدلنے کا اصل حق عوام کے پاس ہے۔

خلافت راشدہ میں ہر قبیلے کے سردار کو مشورہ کا حق تھا، سردار کی رائے سربراہ کی حیثیت قبیلے میں نمائندگی کی تھی۔ اس کی وہاں پر انتخابات کی کوئی حاجت نہ تھی اور اس سے مشورے کا تقاضا بھی پورا کرتے تھے۔ جبکہ موجودہ دور میں جوں کا توں ہو، ایسا ممکن نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصول وہی رہیں لیکن طریقہ کار تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف یہودی سازش کے تحت خلافت میں رخنہ ڈالا گیا۔ اس بات پر میں کوئی شک نہیں کہ وہ بغاوت تھی۔ لیکن یہ عین ممکن ہے کہ کہیں نیک نیتی سے کوئی تحریک چلے۔ اختلاف قابل قبول ہو اور وہاں ایک نئی قیادت کا انتخاب ہونا چاہیے۔ اس وقت تک ہمارے یہاں اس مقصد کے لیے ذرائع موجود نہیں تھے۔ البتہ تمدنی ارتقاء نے متبادل راستے دیئے ہیں۔ اگر اختلاف ہو تو اس کا صحت مند انداز میں حل بھی ہو سکتا ہے۔

عصر حاضر میں یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی شخص بھی جماعت بنائے، اپنی بات سے قائل کرے یا برسر اقتدار پارٹی کے خلاف مہم چلائے، تحریک چلائے اس کی قانونی حیثیت کو پوری دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے حالات میں دراصل نظام آئین کے مطابق نہیں یہاں مسئلہ عمل درآمد کا ہے اس لیے اب اس نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس صحیح اور کامل اسلامی نظام قائم کرنا جیسا کہ آئین پاکستان میں درج ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بن سکتا قائم کرنا ہوگا۔ یہ ہر شہری کا آئینی حق ہے اور دینی فریضہ بھی ہے۔ اب جو اس کام کا بیڑا اٹھائے گا وہ سب سے پہلے لوگوں کو اس کی دعوت دے اور انھیں جمع کرے، منظم کرے تربیت کا انتظام کرے۔ جب تک وہ کسی کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کرتا یا جب تک زبان سے بغاوت کا اعلان نہیں کرتا، اسے کام کرنے کا آئینی اور قانونی حق حاصل ہے۔ موجودہ دور میں اقدام کی نوعیت یہ ہو سکتی ہے کہ سیاسی تبدیلی کی شرائط پوری ہوں یعنی افراد کار نظریہ توحید و دعوت، تربیت و تنظیم اور صبر محض کے مراحل سے گزر چکے ہوں۔ ایسے افراد کی مطلوبہ تعداد بھی میسر ہو جائے کہ نظام کو چیلنج کر سکے اور قربانی دینے کے لیے تیار ہوں کہ جب تک ان کا مقصد پورا نہ ہو وہ پیچھے نہ ہٹیں گے یعنی اس نظام کو صحیح اسلامی اصولوں پر قائم کر دیا جائے۔ رائج الوقت نظام اور اس کو چلانے والے انتظامی ادارے (یعنی حکومت) کے مقابلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے کمر کس لے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر کھڑی ہو جائے۔ یہ جماعت اب محض زبانی و کلامی بات کرنے کے بجائے علی الاعلان یہ کہے کہ اب فلاں فلاں منکرات ہم ہرگز نہیں ہونے دیں گے، یہ کام اب ہماری لاشوں پر ہو گا۔ اس تحریک میں ہدف (یعنی کس برائی کو ختم کیا جائے؟) وہ منکر ہو جو سب مسلمان مسالک کے نزدیک کے نزدیک حرام ہو۔ مثال کے طور پر بے حیائی، عریانی، تبرجِ جاہلیہ، مرد و عورت کے مخلوط

اجتماعات، عورت کی بطورِ اشتہار تشہیر اور یومِ پاکستان اور یومِ استقلال کے مواقع پر افواجِ پاکستان کے ساتھ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی معنوی نوجوان بیٹیوں کی سڑکوں پر مردوں کے سامنے سینہ تان کر پریڈ۔ یہ سب وہ خلافِ شریعت امور ہیں جن کے منکر ہونے کے بارے میں تمام مذہبی مکاتب فکر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ الغرض موجودہ دور میں اسلامی انقلابی جماعت منکرات یعنی خلافِ شریعت کاموں کے خلاف مظاہروں کے ذریعے اقدام کا آغاز کرے گی۔ تمدنی ارتقاء نے ان مظاہروں کی بہت سے صورتوں سے دنیا کو روشناس کرایا ہے جن میں پکٹنگ (Picketing) یعنی دھرنا مار کر بیٹھنا، احتجاجی طور پر حکومت کو یا عوام کو کسی کام سے روکنے کے لئے گھیراؤ وغیرہ کرنا بھی شامل ہے۔'[85]

اس کی لازمی شرط یہ ہے کہ چونکہ مسلمانوں کو کلمے کا تحفظ سب کو حاصل ہے۔ اگر تو حکومت تحریک کے خلاف کوئی اقدام کرتی ہے تو وہ اللہ جواب دہ ہو گئی۔ لیکن تحریک کی طرف سے ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ پر امن رہنے اور کوئی بھی رد عمل پیش نہ کریں اب پر امن اور منظم مظاہروں کے ذریعے نظام کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

1.2.3.4 مسلح بغاوت اور تصادم نہیں:

سیاسی نظام کی تبدیلی کے طریق کار کا مطلب لازمی طور پر مسلح بغاوت اور تصادم نہیں ہے، بلکہ موجودہ دور میں یہ بات قریباً خارج از بحث ہے۔ اس لئے کہ اولاً تو سابقہ ایک ایسے معاشرے اور ایک ایسی حکومت سے ہے جو قانوناً مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ثانیاً یہ کہ حکومت کے پاس باقاعدہ تربیت یافتہ اور جدید اسلحہ سے لیس فوج موجود ہے، جب کہ عوام الناس نہتے ہیں، لہذا ان دونوں اعتبارات سے فی زمانہ مسلح تصادم اور بغاوت کے راستے معدوم کے درجے میں آتے ہیں۔ چنانچہ اب سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں وہ طریقہ اختیار کرنا ہو گا جس سے دورِ جدید کے تمدنی ارتقاء نے لوگوں کو واقف کرایا ہے۔ آج عوام عدم تشدد کے اصول پر پُر امن اور منظم مظاہروں کے ذریعے اپنے عزم اور قوت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کیلئے ہمیں قرآن وحدیث سے جو رہنمائی ملتی ہے اسے میں ''نہی عن المنکر بالید'' سے تعبیر کرتا ہوں۔'

قرآن میں نہی عن منکر پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس ذیل میں اس کتاب میں بہت سے مقامات گنوائے گئے ہیں۔ جس میں سورہ نحل آیت 90، سورۃ لقمان آیت 17، الاعراف 157، سورہ مائدہ آیت 63، الِ عمران آسی سورہ اعراف آیات 163 تا 166 میں

[85] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 355-344

امر بالمعروف و نہی عن المنکر خصوصی طور پر زور دیا گیا ہے۔ واقعہ سبت میں شکار کرنے والوں کے ساتھ وہ لوگ جو خاموش تھے، عذاب کا شکار ہوئے۔ دنیاوی اعتبار سے اور جنہوں نے ان کو روکنے کی کوشش کی وہ تقویٰ کی روش پر رہنے والے تھے۔

قرآن کے بارہ مقامات پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے۔ دین اسلام میں اس کی کس قدر اہمیت ہے ان حوالوں سے باخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ 'دین کو بتمام و کمال قائم کرنے کا مسئلہ آئے گا اور فاسد و استحصالی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پورے نظام کو توحید کی بنیادوں پر استوار کرنے کا مرحلہ آئے گا تو در حقیقت اقدام کا یہی راستہ ہو گا کہ ایک منظم اور تربیت یافتہ اسلامی انقلابی جماعت امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تحفظِ حدود اللہ کے لئے پُرامن مظاہروں اور ان تمام طریقوں سے حکومتِ وقت کو مجبور کر دے کہ وہ معروفات کی ترویج کرے، منکرات کا قلع قمع کرے اور حدود اللہ کو نافذ کرے۔'

اس تحریک اسلامی کا اصل مقصد دین ہو نہ کہ حکومت حاصل کرنا۔ اپنے موقف سے پیچھے نہ ہو، دو میں سے ایک نتیجہ کے مقدر میں کرے گا یا تو تخت یعنی شہادت یا دین اللہ کا قیام۔ یہی طریقہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہیں احادیث میں برائی کو دیکھنے پر اعلیٰ درجہ یہ بیان ہوا ہے کہ وہ اس کو ہاتھ یعنی طاقت سے بدلہ جائے اور پھر زبان سے پھر بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانا جائے، اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جس درجے پر ہے کسی چیز کو دل سے بُرا سمجھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اس درجہ پر نہ رہے بلکہ اس سے اگلے کی کوشش کرے۔ اعلیٰ درجہ نظام میں موجود برائی کو ہاتھ سے تبدیل کرنا ہے۔ تو اس کے لئے طاقت قوت کو فراہم کرنا فرض ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو نہی عن المنکر بلند ترین سطح پر کرنا چاہتا ہو۔[86]

1.2.3.5 تحریک کی اہمیت اور ضرورت:

ڈاکٹر صاحب اس حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اگر سیاسی حقوق کے حصول، مہنگائی کے خلاف اور دیگر مسائل کے حل کے لیے مظاہرے کیے جا سکتے ہیں تو جسے اسلام نے منکرات قرار دیا ہے اس کے خلاف پرامن مظاہرے کیوں نہیں کیے جا سکتے؟ اگر منظم جماعت جو بنیان مرصوص بن چکے ہوں اور پرامن طور پر مظاہرہ کرے جو آج دنیا میں رائج ہے۔ اگر معاملہ ہو جائے تو مسلمان پولیس کب تک لاٹھیاں برسائی گئی؟ اور مسلم فوج کب تک گولیاں چلا کر نہتے مظاہرین کو مارے گی؟ جو محض اللہ کی رضا لے لئے منکرات کے خلاف نکلے ہوں۔ جابر سے جابر حکمران کی بھی ایک حد ہوتی ہے اس سے آگے نہیں جا سکتا۔

---

[86] ڈاکٹر اسرار احمد، منہج انقلاب نبوی ﷺ، ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ص 375

ایران کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے بادشاہ کہ پاس ایشیا کا سب سے بڑا اسلحہ خانہ تھا۔ بہت سفاک پولیس اور فوج تھی اور اتنی طاقت تھی کے اس کے نشے میں سائرس ثانی بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن سرفروشوں کی قربانیوں کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔ عوام اس کے خلاف مظاہروں کی صورت میں جان دینے کے لئے سڑکوں پر آگئے بالآخر پولیس اور فوج نے مظاہرین پر گولی چلانے سے انکار کر دیا، اس پر وہ ملک چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ البتہ نتائج کی تین صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کے حکومت گھٹنے ٹیک دے، دوسرے یہ کہ حکومت اسے انا کا مسئلہ بنالے اور تحریک کو کچلنے کی کوشش میں انتظامی ادارے ساتھ چھوڑ دیں، مثلاً پولیس اور فوج، تو یہ بھی تحریک کی کامیابی ہے۔ البتہ تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے حکومت تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس صورت میں دنیوی اعتبار تو ناکام لیکن اللہ کے پاس اجر عظیم ضرور پائیں گی۔[87]

خلاصہ مبحث:

- عہد رسالت مآب ﷺ اور دور حاضر میں دو فرق ایک یہ کہ وہاں مسلمان بامقابلہ کافر اور پاکستان میں مسلمان عوام بھی اور حکمران بھی، اس لیے یہاں بالسیف سیاسی اصلاح ممکن نہیں۔ البتہ مسلح بغاوت کی شرعی حیثیت امت میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے رہا ہے۔
- تمدنی ارتقاء کی دو اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں پہلی یہ کہ وسائل اور قوت میں بہت بڑا تفاوت عوام نہتے اور حکومت کے پاس تربیت یافتہ افواج اور دوسرا یہ کہ ایاست اور حکومت کا فرق یعنی ریاست کا باغی تو واجب القتل ہوتا ہے جبکہ اور حکومت کا نہیں۔
- سیاسی نظام کی تبدیلی کا لازمی مطلب لازمی مسلح بغاوت اور تصادم نہیں ہے۔ آج کے دور میں عوام عدم تشدد کے اصول پر پُرامن اور منظم مظاہروں کے ذریعے اپنے عزم اور قوت کا اظہار کرتے ہیں اور احتجاج کے اپنے مطالبات منواتے ہیں۔

---

[87] ایضاً، ص 378

2. باب ۲۔ پاکستان کا رائج نظام سیاست اور اصلاحی جوانب

گزشتہ باب میں اسلامی نظام سیاست اور پاکستان کی سیاسی اقدار کے ذیل میں تاریخ سیاست اسلام اور پاکستان کی سیاسی منزلت بشمول ڈاکٹر اسرار احمد کی آراء اور ان کا نظام اسلام کے لیے سیاسی لائحہ عمل کا بیان کیا گیا ہے. اسی سلسلے کی اگلی کڑی پاکستان میں رائج نظام سیاست اور اس کے اصلاحی جوانب کے تحت، پاکستان کی فکری بنیادیں اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی سیاسی جدوجہد، نظریہ پاکستان، پاکستان کی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار، ان تمام جوانب سے ڈاکٹر اسرار احمد کا پیش کردہ منہج اصلاح نظام سیاسی اور اس کے قابل عمل ہونے کے امکان کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

2.1 فصل ۱: پاکستان کی رائج سیاست اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی آراء:

گذشتہ فصل میں پاکستان کی سیاسی منزلت کے ذیل میں آئین پاکستان اور قرارداد مقاصد اور موجودہ سیاسی صورت حال کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ فصل ہذا میں پاکستان میں موجود اسلامی جماعتیں، نظام اسلامی کی تنفیذ کے لیے جدوجہد کرنے والی تحریکات اور ضمناً اُن کی تاریخ اور تحریک پاکستان میں ان کے کردار کا مختصر جائزہ لیا جائے گا۔ اس موضوع کی اہمیت اس طور سے بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ ماضی میں امت مسلمہ کے عروج وزوال کی وجوہات کو مد نظر رکھ کر اور ان حالات و تجربات کی روشنی میں کسی تحریک اسلامی کی کامیابی و ناکامی کا جائزہ لیا جا سکے اور درست لائحہ عمل سمجھا جا سکے۔ ذیل میں اسی حوالے سے بحث کی جائے گی اور اس نقطہ نظر سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا تحریکی پس منظر کا تجزیہ اور مستقبل میں تعمیری امکانات کا جائزہ لیا جائے گا۔

2.1.1 مبحث ا: پاکستان کی فکری بنیادیں اور نظریہ پاکستان:

سترہویں صدی عیسوی مسلمانوں کے عروج کی آخری صدی کہلاتی ہے۔ مسلمان کے اس سیاسی عروج میں امن عالم، زراعت، صنعت و تجارت اور علوم و فنون میں تیزی سے ترقی کر رہے تھے۔ یہ ترقی سیاسی اور تمدنی لحاظ سے تھی۔ اخلاقی اور علمی لحاظ سے مسلمان زوال کی طرف جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی یہ تاریخ تابناک ہے اور سچ یہ ہے کہ اس کے مقابل دنیا میں کوئی قوم اس شان و شوکت کے ساتھ نہ رہی ہیں۔ یونانی 200 سال، رومی 400 سال، موجودہ یورپی قریباً 300 سال، چینی اقتدار لگ بھگ مسلمانوں کے کی قریب قریب رہا لیکن محض چین تک محدود رہا اور البتہ مسلمانوں کا اقتدار کہ دنیا کے بیشتر علاقوں تک پہنچا اور دین اسلام کہ مہک کل دانگ عالم میں محسوس کی گئی۔[88]

2.1.1.1 مسلمانوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور قیام پاکستان:

ہر مخلص شخص اپنی قوم اور ملت کے عروج اور ترقی کے لیے فطری خواہش رکھتا ہے۔ قبل از تقسیم ہند مسلمانوں میں یہ جذبہ قدرے زیادہ تھا، ایک طرف فطری طور پر اور دوسرے مغربی استعمار کی غلامی سے آزادی، ایمان کا لازمی جزو بن گیا۔ روایتی علماء میں سے چند کے علاوہ عمومی طور پر ادیبوں، مفکروں اور علماء نے امت مسلمہ کے اسبابِ زوال اور اس کی نشاۃ ثانیہ اور اسلام کے سیاسی عروج کے پہلوؤں پر پوری شدت اور قوت سے اجاگر کیا۔ مثلا: ہند میں حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۴ء تا ۱۶۲۴ء)، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۰۳ء ۱۷۶۲ء)، سید احمد بریلوی شہیدؒ (۱۷۸۶ء تا ۱۸۳۱ء)، مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (۱۸۵۱ء تا ۱۹۲۰ء)، ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ (۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۸ء)، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیمؒ (۱۸۹۳ء تا ۱۹۵۹ء)، مولانا محمد حنیف ندویؒ (۱۹۰۸ء تا ۱۹۸۷ء)، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ء تا ۱۹۷۹ء)، سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۳ء تا ۱۹۹۹ء) وغیرہ کے ذریعے بہت ساری اسلامی احیائی تحریکات آغاز بھی ہوا۔ ان حضرات نے تعلیمی اور عملی میدان میں بھی جدوجہد کی۔ برصغیر پاک و ہند کے علاوہ جزیرہ نما عرب میں شیخ محمد عبدالوہابؒ، لیبیا میں محمد بن علی سنوسیؒ، سینیگال جی عمر تجانیؒ، مالی نے احمد ولویوؒ، نائجیریا میں عثمان فودیو، سوڈان میں مہدی سوڈانیؒ، الجزائر میں عبدالقادرؒ، چیچنیا میں امام شاملؒ، انڈونیشیا میں بونجولؒ اور حاجی عمر سعیدؒ، مصر میں سید قطبؒ شہید اور حسن البناؒ اور افغانستان میں حالیہ معرکہ حق و باطل میں طالبان افغانستان کے ایمان کے مقابل طاغوتِ اعظم پسپا ہوا۔ یوں اسلام کی حقانیت کا ایک منظر ایک مرتبہ پھر زمانہ حال میں بھی جگمگایا۔

تحریک پاکستان کا واضح نعرہ لا الہ الا اللہ اس کے مقصد کو متعین کرتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ پاکستان میں نفاذ اسلام کی تحریکات کا برسرپیکار ہونا، دوسرے یہ کے احیائی عمل امت میں اس وقت ویسے بھی ایک خاص جذبہ کے تحت متحرک تھا۔ البتہ یہ الگ بات

---

[88] سید جمال الدین افغانی اور مولانا عبید اللہ سندھی کے تصور انقلاب کا تقابلی جائزہ، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، 2007-2002، ص 13

ہے کہ ان تحریکات بشمول پاکستان کے کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا اور مسلم ممالک کی باگ دوڑ ہمیشہ سے سیکولر عناصر کے پاس رہی۔ مصور پاکستان ڈاکٹر محمد علامہ اقبال نے ستمبر 1930ء میں الہ آباد میں ایک خطبہ دیا جس میں ہندوستان کے شمال مغربی خطہ کو مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کی پیشن گوئی کی۔ جس کا بنیادی اور مرکزی نقطہ ایک الگ ریاست کا قیام، جس کا طرز حکومت خلافت راشدہ جیسا ہو۔ باعین ہی قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کانگریس کو خیر آباد کہنے کے بعد، مسلم لیگ کی صدارت سنبھالی تو 1937ء سے لے کر 1947ء تک کے فرمودات اس بات کی واضح گواہ ہیں کہ ان کے پیش نظر بھی پاکستان اسلامی اصولوں پر قائم کرنا تھا۔ وہ قرآن کو پاکستان کا آئین اور اسلام کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مکمل ضابطہ قرار دیتے تھے۔[89]

2.1.1.2 پاکستان کی فکری بنیادیں اور اسلامی جماعتوں کا کردار:

2.1.1.2.1 جماعت اسلامی:

پاکستان میں احیائے اسلام کے لیے جو موثر ترین جماعتیں کام کر رہیں ہیں ان میں سے ایک بڑی جماعت 'جماعت اسلامی' ہے۔ جس کے بانی سید مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں، جو شیخ الہندؒ (م ۱۹۲۰ء)، علامہ اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) اور مولانا ابو الکلام آزادؒ (م ۱۹۵۸ء) کی فکر اسلامی کا تسلسل تھے۔ البتہ مولانا مودودیؒ اس فکر کو عام کرنے اور قبولیت عامہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ مقبول ہوئے۔

جماعت اسلامی 1941ء میں قائم کی گئی۔ مولاناؒ نے اور باطل نظام کے بنیادی اصول بیان فرمائے جو اس باطل نظام کی اصل جڑ ہیں۔ ان میں پہلا اصول لا دینیت (Secularism) ہے جس کے مقابلے میں اسلام کی دعوت بندگی رب اور اطاعت رسول ﷺ ہے۔ دوسرا باطل اصول قومیت (Nationalism) یعنی عالمگیریت کی نفی ہے جبکہ اسلام انسانیت کی ہمدردی کا درس دیتا ہے، تیسرا باطل اصول جمہوریت (Democracy) کو قرار دیا، جمہوریت سے مراد اکثریت کی خواہش کے مطابق قوانین بنانا اس کے مقابل اسلام کا اصول حق حاکمیت رب اور خلافت جمہور قرار دیا۔ مزید برآں جماعت اسلامی نے پاکستان بننے کے بعد چار نکاتی فارمولا طے کیا، جس کو پاکستان کے طول و عرض میں عام کیا گیا۔ ان اسلامی تہذیب کے صالح اصول میں سے پہلا اللہ کی بادشاہی اور حاکمیت کو انفرادی اور ملکی قوانین کی سطح پر نافذ کیا جائے، دوسرا یہ کہ پاکستان کا بنیادی قانون اسلامی شریعت ہے، تیسرا نکتہ خلاف شریعت قوانین کی منسوخی کا فوری مطالبہ اور چوتھی بات حکومت کے اختیارات کی حد

---

[89] محمد خالد شفیع، خلافت واحیائے تحریک خلافت (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)، نمل یونیورسٹی اسلام آباد، دسمبر 2013ء، ص 148-140

شریعت اسلامی قرار دی جائے۔اس کے ساتھ ہی مطالبہ دستور اسلامی کی مہم پوری طاقت کے ساتھ شروع کر دی گئی۔اس کے اثر سے بقیہ اسلامی جماعتیں بھی متحرک ہوئی۔ بالآخر قرار داد مقاصد پر منتج ہوئی۔[90]

عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں مصنفہ پروفیسر سیدہ مسعودہ نعیم شاہ کتاب میں جماعت اسلامی کے زندگی کے تین مراحل کو بیان کئے گئے۔اس پہلا مرحلہ خالص تنقید اور تعمیر اور تبلیغ و دعوت کا تھا جس کا عرصہ 9 برس رہا،اس کے بعد کا 7 سالہ دور تربیت و تنظیم کا عرصہ تھا، تیسرا مرحلہ توسیع و عملی اقدام کا ہے۔اس میں مزید لکھتیں ہیں کہ مولاناؒ کے پیش نظر اصل نظام کی تبدیلی ہے نہ کہ جمہوری طریقہ کار۔ مولانا مودودیؒ کی ترجمان قرآن کے حوالے یہ بیان کیا گیا کہ جب ہماری دعوت اکثریت میں سرایت ہو جائے تو ہم پر امن طریقے سے دستور کہ اندر رہتے ہوئے اور شریعت کی حدود کے اندر انقلاب برپا کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ مقصد ملک سے نظام حیات کو بدلنا ہے نہ کہ جمہوری طریقہ طرز کو عام کرنا۔ البتہ اگر حالات ساز گار نہ ہوں تو ہم دعوت جاری رکھیں گے۔[91]

جماعت اسلامی زندگی کے قریباً ہر پہلو میں کام کر رہی ہے لیکن اب تک سیاسی میدان میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکی۔

2.1.1.2.2 تبلیغی جماعت:

پاکستان کی بڑی جماعتوں میں تبلیغی جماعت اہم تر ہے۔ مولانا الیاس کاندھلویؒ نے تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی، قبل ازیں وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد بھی کی تھی بلکہ اس بیعت کرنے کا تقاضا از خود کیا،اس تاثر کی نفی ہو جاتی ہے کہ آپؒ محض چند دینی باتوں کہ مبلّغ تھے۔ آپؒ کا تصور دین جامع و متوازن اور اکابرین امت سے ہم آہنگ تھا۔1931ء جب آریوں کی کوشش سے ارتداد کی آگ پھیلی تو مسلمانوں میں اس کے خلاف کوششیں شروع ہوئیں۔اس دور میں مولانا الیاسؒ نے ایک ہمہ گیر تحریک چلائی[92]۔ مولاناؒ نے دین کی دعوت و تبلیغ کے لیے گشت اور سفر کا طریقہ اختیار کیا۔ان کا کہنا تھا کہ لوگ روز مرہ کے مشاغل میں پھنس کر دین نہیں سیکھ سکتے، خود رسول اللہ ﷺ پھرا کرتے تھے اور جو کوئی آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا وہ بھی پھرا کرتا تھا۔ غرض پھرنا اور دین کے لیے جدوجہد اور نقل و حرکت 'اصل' تھا جب یہ چھوٹ گیا جب ہی خلافت ختم ہو گی۔[9493]

---

[90] ایضاً، ص164-160

[91] سیدہ مسعودہ نعیم شاہ، عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں، نومبر 2013ء، میٹرو پرنٹرز، لاہور، ص203-204

[92] ایضاً، ص214

[93] ایضاً، ص218

[94] محمد خالد شفیع، خلافت واحیائے تحریک خلافت (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)، نمل یونیورسٹی اسلام آباد، دسمبر 2013ء، ص153

مولاناؒ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ پہلے مسلمانوں کے اندر دین کے لیے طلب اور محبت پیدا کی جائے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی و مفہوم ان کے ذہنوں میں راسخ کیا جائے۔ دین کی باتوں سے واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ پھر انھیں غلبہ دین کیلئے اٹھا کھڑا کیا جائے۔ بغیر عقائد و مبادی کی درستگی کے دین قائم و غالب نہیں ہو سکتا۔[95]

مولانا الیاسؒ ایک مرتبہ فرمایا ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو امام انبیاء علیہ السلام کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھا دیں۔ یہ تو ہمارا مقصد ہے۔ رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ اور نماز کی تلقین گویا ہمارے نصاب کی الف ب ت ہے۔ ایک موقع پر مولانا الیاسؒ نے کہا۔ 'میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے نہیں، لوگ کہتے ہیں یہ تحریک صلوٰۃ ہے، میں قسم سے کہتا ہوں ہر گز تحریک صلوٰۃ نہیں'۔ اسی طرح ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔ 'اس لائن میں بندہ ناچیز کے ذہن میں کچھ ایسے خیالات ہیں جو قبل از وقت ہونے کی بنا پر زبان سے نکالنے کو جی نہیں چاہتا'۔ اس پہلو سے مولانا کی سوچ محض چند عبادات کی تلقین و تبلیغ تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ آپ مکمل دین کا احیاء چاہتے تھے۔[96]

تبلیغی جماعت کا کام بہت پھیلا اور اس کو قبول عام حاصل ہوا ہے البتہ اس کے کام پر کچھ اعتراضات بھی کیے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہر ملک چاہے مسلمانوں کے زیر اقتدار ہو یا غیر مسلموں کے، ان کو دعوت دینے کے لیے قبول کر لیا جاتا ہے[97]، ایک طرف تو یہ بات خوش آئند بھی ہے لیکن دوسری طرف یہ کہ باطل کو حق کیسے گوارہ ہوا؟ کیا محدود تصور دین کی وجہ سے ایسا ہے یا کچھ اور وجہ؟، ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال سے گریز ضرورت سے زیادہ کرتے ہیں مثلا جماعت کی نماز میں سپیکر استعمال نہ کرنا، ذرائع ابلاغ استعمال نہ کرنا، اسلام کی کیسے خدمت ہے؟ اور ایک اعتراض یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سے محض امر بالمعروف پر بہت زور ہونا جبکہ نہی عن المنکر بھی اسی درجہ کا کام ہے، اس کو ترک کرنا نقص دعوت ہے۔[98]

مندرجہ بالا اعترضات اپنی جگہ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تبلیغی جماعت کا کام بہت پھیلا ہے۔ برصغیر میں اس کی مثال آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق ہے۔ بیرون ممالک میں اس کے کردار پر ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے میں تبلیغی جماعت کی کوششوں سے فرانس میں پیرس جیسے شہر کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج سے سال قبل یہاں مسلمانوں میں اگر نماز پڑھنے

---

[95] عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں، ص218

[96] ایضاً ص 221

[97] اس میں ایک استثناء اب سعودی عرب ہے جس نے تبلیغی جماعت پر پابندی عائد کی ہے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ شرکیہ عقائد کی ترویج کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

[98] محمد خالد شفیع، خلافت واحیائے تحریک خلافت (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)، نمل یونیورسٹی اسلام آباد، دسمبر 2013ء، ص156

والوں کی تعداد ہزار میں تھی تو اب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کچھ نہیں تو سو میں پچاس ہو گی۔ یعنی پچاس فیصد۔ اس کے دین کی طرف رغبت، تبلیغی جماعت کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔[99]

الغرض مولانا الیاسؒ میں دین کی تحریک چلائی اور نہایت قلیل مدت میں اولاً ہندوستان اور بعد میں پاکستان اور پوری دنیا میں اسلام کی دعوت سے کایا پلٹ دی۔ مسلمانوں کے میں دین کی خدمت اور قربانی کا جذبہ اسی جماعت کا خاصہ ہے۔ للہیت و عبادات کا شغف بھی قابل تحسین و تقلید ہے۔ البتہ مولانا الیاسؒ کے تصور دین کے مطابق ابھی تک ابتدائی منزل سے آگے کام ہو رہا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کہ اور اسلاف امت کے تصور دین کو عام کیا جائے اور اس کام کی اگلی منزل یعنی شریعت کے قیام پر توجہ کی جائے، تاکہ قبولیت اسلام کی راہ ہموار ہو۔ پاکستان میں اس کی وجہ سے اسلام پسند عناصر پھیلے ہیں جو نظام اسلامی کے لیے براہ راست سر گرم عمل تو نہیں البتہ اس لے قیام کے لیے بالواسطہ ضرور مؤثر ہیں۔

2.1.1.2.3 جمعیت علمائے اسلام:

قبل از قیام پاکستان 1945ء میں قائم ہوئی اور اس کے پہلے صدر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔ جو قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے دست راست کہلاتے ہیں۔ اسی لیے قائد اعظم نے قیام پاکستان کے بعد پرچم کشائی کی رسم آپ ہی کہ دست مبارک سے کرائی اور دستور ساز اسمبلی کا افتتاح بھی آپؒ سے کرایا گیا۔ پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی خدمات کے حوالے سے قرارداد مقاصد کی منظوری پاکستان تاریخ کا اہم سنگ میل ہے، جس کی تحریر مولانا شبیر احمدؒ نے فرمائی۔ جمعیت علماء اسلام کے دوسرے صدر سید سلیمان ندویؒ تھے، جنھوں نے قرارداد مقاصد کے بعد اس راہ کی ایک اور رکاوٹ کو ختم کیا۔ انہوں نے 24 جنوری 1951ء کو کراچی میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے 31 جید علماء نے شرکت کی اور متفقہ طور پر پاکستان کے لیے اسلامی آئین کے طور پر 22 نکات پر مشتمل ایک دستاویز مرتب کی۔ اس جلسے کی صدارت سید سلیمان ندویؒ فرما رہے تھے۔ مفتی محمود صاحب 1956ء میں جمعیت علماء اسلام میں شامل ہوئے۔ 1970ء کے انتخابات میں جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے مفتی محمودؒ نے ذوالفقار علی بھٹو کو شکست دی، اور نیشنل عوامی پارٹی سے مل کر سرحد اور بلوچستان میں حکومت قائم کر لی گئی۔ مفتی صاحب وزیر اعلیٰ سرحد قرار پائے۔ چند اقدامات جیسے شراب نوشی اور شراب فروشی پر پابندی، شلوار قمیض قومی لباس، جمعہ کی چھٹی، اردو زبان کو قومی زبان قرار دینا اور اسلام کے نفاذ کی کوشش شامل ہیں۔ مفتی محمود صاحب کے بعد مولانا فضل الرحمن صاحب صدر بنے۔ اس کے اس جماعت میں سے درخواستی گروپ کے نام سے ایک الگ جماعت بنی اور مزید گروپ سے

---

[99] ایضاً ص 223

اس جماعت سے الگ ہوئے۔ جمیت علماء اسلام کے منشور میں جو کہ ستمبر 1969ء میں منظور کیا گیا تھا کی بنیادی شقوں میں سے اسلام کا نفاذ ایک اہم شق ہے۔[100]

2.1.1.2.4 دیگر جماعتیں:

اس کے علاوہ جمیعت علمائے پاکستان جو کہ بریلوی مکتبہ فکر کے علماء اور مشائخ ایک جماعت ہے اس کے پہلے صدر مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ اور 1980ء کی دہائی میں شاہ احمد نورانیؒ صدر بنے، الیکشن لڑا اور کامیاب ہوئے۔ اس جماعت کی عملی سیاست میں زیادہ کردار نہیں۔[101] ان کے علاوہ چند دیگر جماعتیں جو موجودہ سیاست میں سر گرم عمل ہیں لیکن ان کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں جو اسلام کی بالادستی کا نعرہ لگاتیں ہیں، کا تفصیلی بیان مبحث سوم میں کیا جائے گا۔

2.1.1.5 ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور نظریہ پاکستان:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی فکر کے مستقل موضوعات میں دعوت رجوع الی القرآن، سیاسیات اسلام اور تاریخ و نظریہ پاکستان ہیں۔ اس حوالے سے ان کی بیشتر تقاریر اور کتب ہیں۔ جن میں استحکام پاکستان، اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان، پاکستان کا مستقبل موجودہ طرز عمل کی روشنی میں، سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری، موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل، وغیرہ اہم ہیں۔

قبل ازیں نظریہ پاکستان کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی رائے کا بیان فصل دوم کی مبحث اوّل میں کیا جا چکا ہے۔ جو بنیادی طور پر نظریہ پاکستان پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جوابی بیانیہ تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نظریہ پاکستان کو تین درجات کے اعتبار سے بیان کیا۔ پہلا درجہ عوام الناس اور ہر دیکھنے والے کے سامنے کی کیفیت قرار دی گئی ہے۔ جیسے پاکستان بننے سے پہلے اس کا نظریہ اور واضح نعرہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ تھا، اور ہندوستان کے اس وقت کے بسنے والے تمام مسلمانوں عوام پر یہ بات واضح تھی، مساجد میں بھی دعائیں کی جاتیں اور ہر جگہ یہ بات زبان زد عام تھی۔ دوسری سطح اس تحریک کے قائدین کا حوالے سے یہ کہ ان کا اس تحریک کے پیچھے کیا جذبہ محرکہ تھا؟ بمطابق ڈاکٹر صاحب اس میں اختلاف کی گنجائش کافی ہے۔ اس لیے وہ بلاشبہ

---

[100] تنویر بخاری، پاکستان میں سیاسی جماعتیں اور پریشر گروپ، الیور نیو بک پیلس، لاہور، ص 307-304

[101] ایضاً، ص 337-336

مذہبی لوگ نہیں تھے۔ان کا جذبہ 'جذبہ قومی ' تھا۔ہندو کے مقابلے میں تعدادی اعتبار سے کم ہونا، معاشی استحصال اور سماجی و معاشرتی اور تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے تشخص کے ختم ہو جانے کا مسئلہ اور اس پر مستزاد ایک ہزار سالہ حاکمیت کے بعد کو ہندوؤں کا انتقام، ان امور یہ یہ بات ثابت کی گئی کہ قائدین مسلم لیگ کے پیش نظر اصل محرک مذہبی نہ تھا بلکہ قومی تھا۔اس کے بعد تیسرے درجے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ تحریک مسلم لیگ مذہبی تحریک تھی نہ اس کی قیادت مذہبی لوگوں کی تھی۔لیکن مسلمان ہند میں ایک قومی وحدت کے شعور کو بیدار کرنے کے لیے سب سے زیادہ انحصار مذہبی جذبے کیا جا سکا۔برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے قومی تحریک مذہب کا نعرہ لگانا پڑا۔اسی جذبہ کے ذریعے مسلمانان ہند کو جمع کیا گیا۔باوجود اس کے کہ وہ مختلف علاقائی، لسانی اور نسلی تفاوت رکھتے تھے۔اسلام کی بنیاد پر جمع ہوئے جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ پاکستان کا نظریہ سوائے اسلام کے کچھ اور نہ تھا۔[102]

2.1.1.5.1 قیام پاکستان کی فکری بنیادیں اور مسلمانان ہند کا اختلاف:

ڈاکٹرؒ صاحب مسلمانان برصغیر کو تحریک استخلاص وطن کا اولین داعی قرار دیا ہے۔تحریک شہیدین اس کی پہلی منظم کوشش تھی اور اس کے بعد اسی کی باقیات الصالحات مختلف تحریکات کی صورت میں جلوہ افروز ہوتی رہیں۔1857ء کے معرکہ آزادی وطن کے بعد ہندو انگریزی استعمار کے خدمت گار اور نظر کرم میں آگئے کیوں کہ انہوں نے فورا نئی تہذیب کو قبول کیا اور خوش آمدید کہا۔اس کے برعکس مسلمان اپنا شاندار ماضی نہ بھلا سکے۔لہذا ان کا ایک انتشار پیدا ہو گیا، کچھ نے اس تہذیب کا یکسر ہی انکار کر دیا یہ دین و مذہب سے زیادہ لگاؤ رکھنے والا طبقہ تھا۔جبکہ عام مسلمان اس نئی تہذیب سے مطابقت چاہتا تھا۔جو ڈاکٹرؒ صاحب کی کتاب 'اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر' میں اس کے دو اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

'ہندوستان کے مسلمانوں کی توانائیاں منتشر ہو گئیں اور مجموعی طور پر ہندوستان کی مسلمان قوم کی قوت و طاقت کو ضعف پہنچا اور دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مذہبی طبقے اور قومی قیادت میں بُعد پیدا ہو گیا جو بعد میں مسلسل بڑھتا چلا گیا اور اسے بجا طور پر دور جدید میں اسلامیانِ ہند کی قومی تحریک بد قسمتیوں کا سرِ آغاز کہا جا سکتا ہے۔'[103]

---

[102] ڈاکٹر اسرار احمد، استحکام پاکستان، ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2022ء، طبع 11، ص 66-59

[103] ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2018ء، طبع دوم، ص 10

مزید یہ بیان کیا گیا کہ ہندو قوت میں آ گئے اور اس طرح ہندوستان میں ہندو مسلم کشمکش کہ دور جدید کا آغاز ہو گیا۔ لیکن اصل مسئلہ جس کو ڈاکٹر صاحب نے موٹے الفاظ میں درج کیا ہے کہ

'بد قسمتی سے اس موقع پر مسلمان ہند کے مذہبی طبقوں اور خصوصاً تحریک شہیدینؒ اور جماعت مجاہدین کے معنوی و روحانی وارثوں نے حالات کے رخ کو سمجھنے میں سخت غلطی کی اور وہ ہندوستان کی پوری مسلمان قوم کے سواد اعظم کے احساسات کا صحیح اندازہ کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔

اس کی وجہ تو ہندوؤں اور انگریزوں سے نفرت تھی یا ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کہ انگریزوں سے نبٹ لینے کے بعد ہندوؤں سے تحفظ کچھ مشکل نہیں۔ دراصل علماء کا موقف یہ تھا کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر پہلے انگریزوں سے نجات حاصل کی جائے اور ہندوؤں کے ساتھ معاملہ بعد میں طے ہو جائے گا۔ جبکہ مجموعی طور پر موقف یہ تھا پہلے ہی سے ہندوؤں کے ساتھ جدوجہد اگر کی جائے تو ان تحفظات کے ساتھ کی جائے، کہ اپنے جملہ حقوق اور قومی تشخص کی مکمل ضمانت ہو۔ اس کے باعث مسلمانوں میں تفریق بڑھتی گئی نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے مسلمان قومی تحریک قوم کے بہترین افراد سے محروم ہو گئی۔ جس کا ثبوت پاکستان کی قومی زندگی اب تک پیش کر رہی ہے۔ اس طرح مذہب اور سیاست میں دوری پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد علامہ اقبالؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا مودودیؒ کے حوالے سے کیا گیا کہ یہ حضرات اس کمی کو محسوس کرنے والے تھے اور انھوں نے دین و سیاست کی وحدت کو از سر نو اجاگر کیا۔ البتہ اس میں مولانا ابوالکلامؒ اور مولانا مودودیؒ پر بالخصوص نقد بھی کی گئی کہ وہ قومی تحریک سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد مسلم لیگ کا ذکر کیا گیا اور اس کی تحریک کا مدعا اسلام اور اسلامی نظام حیات کے بیانیہ کو درج کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ پاکستان کی معجزانہ طور پر بر سر وجود میں آیا۔ اب یہ مسلمانان پاکستان کی آزمائش ہے کہ اب وہ اللہ کی اس عطا کو اپنے وعدہ کے مطابق عمل پیرا ہوں گے یا ناشکری کی روش اختیار کرتے ہیں۔[104]

2.1.1.5.1 مسلم لیگ کا قیام:

مسلم لیگ کے قیام کی وجوہات کا پس منظر یہ ہے کہ انگلستان میں 1905ء میں لیبر پارٹی کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے ہاں انسانی حقوق کے تصورات زیادہ تھے۔ اس کے حوالے سے اپنی حکومت میں کونسلیں بنانے کا فیصلہ کیا یعنی گورنر اور وائسرائے کے ساتھ ایک ایک کونسل ہو۔ یہ حکومت اور عوام میں رابطہ کا کام کریں۔ جس پر مسلمانوں کو تشویش ہوئی کہ اگر ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر ایسا کیا گیا تو مسلمانوں کو کوئی نمائندگی نہ مل سکے گی۔ اس پر سب سے پہلے سر سید احمد خان کے ایک رفیق کار نواب

---

[104] ایضاً، 13-23

محسن الملک کے دل میں تشویش پیدا ہوئی، ان کے ساتھ علی گڑھ کے ایک رئیس حاجی محمد اسماعیل نے مل کر ایک مسلم زعماء سے رابطہ کیا اور اس وقت کے وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کا وقت لیا۔ جو اس وقت شملہ میں تھا، اس وفد کا نام شملہ وفد ہوا۔ جس میں دو اساسی باتیں پیش کی گئیں۔ ایک یہ کہ وائسرائے کو مسلمانوں کی وفاداری کا یقین دلایا گیا اور یہ کہ ہم اس حکومت کو تسلیم کرتے ہیں، دوسری یہ کہ کونسلوں میں مسلمانوں کو خصوصی لحاظ رکھا جائے۔ کیوں کہ مسلمان تعددی اعتبار سے کم تھے۔ اس پر وائسرائے کا جواب میں V. P Minin کی کتاب Transfer of Power in India سے حوالہ پیش کیا گیا۔ جو ڈاکٹرؒ صاحب کا ایک خطاب 'علامہ اقبال، قائدِ اعظم اور نظریہ پاکستان' جو کے بعد ازاں ایک رسالہ کے طور پر طبع ہوا، میں درج ہے۔

" مجھے آپ ہی کی طرح اس امر کا یقین ہے کہ برصغیر میں انتخاب کے ذریعے زندگی کا ہر وہ طریقہ بری طرح ناکام ہوگا جس میں محض 'ایک فرد ایک ووٹ' کا اصول کارفرما ہو اور برصغیر کی آبادی کی مختلف قومیتوں کے عقائد اور روایات کا خیال نہ رکھا جائے۔"[105]

اس کے میں نتیجے میں دسمبر 1906ء میں سلیم اللہ خان صاحب کی کوٹھی واقع ڈھاکہ میں اجلاس منعقد کیا گیا۔ یوں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی سر آغا خان صدر اور سر سید کے ساتھی نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک کو سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

2.1.1.5.3 ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، قائدِ اعظم محمد علی جناح کی فکری بنیادیں اور قیام پاکستان:

علامہ اقبال بطور فلسفی اور قرآن کا گہرا فہم رکھنے والے شخص، ان کی نسبت مجدد الف ثانیؒ سے اس اعتبار سے تھی کہ وہ برہمو سماج کے خلاف کھڑے ہوئے تھے جبکہ علامہ کے دور کا فتنہ دین اکبری، اس کے خلاف کردار ادا کیا۔ علامہ اقبال نے 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں بطور صدر تصور پاکستان پیش کیا تھا۔ یہ خطبہ الہ آباد کہلاتا ہے۔ اس میں انہوں نے تجویز پیش کی گویا کہ ایک پیشنگوئی کی تھی کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مسلمان ریاست قائم ہوگی۔ اس ریاست کا قیام کیوں ہونا چاہیے؟ گویا اس کا نظریہ کیا ہو۔ اس ذیل میں ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"I therefore demand the formation of a consolidated Muslim State in the best interests of India and Islam."

---

[105] ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال، قائدِ اعظم اور نظریہ پاکستان، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2007ء، طبع دوم، ص 11

'لہذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔'
اوراس ضمن میں وہ یہ بات کہتے ہیں کہ ؛

"For Islam (it will be) an opportunity to rid itself of the stamp that Arabian Imperialism was forced to give it, to mobilize its laws, its education, its culture and to bring them into closer contact with its own original spirit and with the spirit of the modern times."

'اسلام کے لیے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روحِ عصر سے ہم آہنگ کر سکے'۔[106]

علامہ اقبالؒ نے خلافت راشدہ کو معیار اسلام قرار دیا۔اس سے مسلم لیگ میں ایک مثبت جذبہ بیدار ہوا، جبکہ کہ اس سے قبل مسلم لیگ منفی متحرکات جیسے ہندوؤں کے ذریعے مسلمانوں کے استحصال کا خوف وغیرہ، کی بنیاد پر میدان عمل میں آئی تھی۔ محمد علی جناح جو ہندو مسلم اتحاد کے سفیر مانے جاتے تھے۔ وہ اپنی ان کوششوں میں متعدد بار ناکام ہوئے اور اس سیاسی جدوجہد کو خیر آباد کہہ کر 1931ء میں انگلستان منتقل ہو گئے تھے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے انگلستان گول کانفرنسس میں شرکت کے لیے گئے اور وہاں محمد علی جناح سے ملاقاتیں کیں۔ جس میں ان پر نظریہ پاکستان اور احیاء اسلام کو واضح کیا۔ وہ اس متاثر ہو کر دوبارہ 1934ء میں ہندوستان لوٹ آئے اور مسلم لیگ کے تاحیات صدر قرار پائے۔ 1937ء کے بعد تقریباً دس سال کی اسلام کا راگ الاپا۔ یہی نظریہ قیام پاکستان کی بنیاد بنا۔ قائداعظم کے مختلف اقوال بھی جمع کیے گئے ہیں جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو گیا ریلوے سٹیشن (بہار) پر ایک بہت بڑے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے مسلم لیگ کا جھنڈا لہرا کر فرمایا:

"Today in this huge gathering you have honoured me by entrusting the duty to unfurl the flag of the Muslim League, the flag of Islam, for you can not separate the Muslim League from Islam. Many people misunderstand us when we talk of Islam particularly our Hindu friends. When we say `This flag is the flag of Islam' they think we are introducing religion into politics- a fact of which we are proud. Islam gives us a complete code. It is not only religion but it contains laws, philosophy and politics. In fact, it contains everything that matters to a man from morning to night. When we talk of Islam, we take it as an all-embracing word.

---

[106] ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال، قائداعظم اور نظریہ پاکستان، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2007ء، طبع دوم، ص 25

We do not mean any ill will. The foundation of our Islamic code is that we stand for liberty, equality and fraternity."

''آج اس عظیم الشان اجتماع میں آپ نے مجھے مسلم لیگ کا جھنڈا لہرانے کا اعزاز بخشا ہے۔ یہ جھنڈا در حقیقت اسلام کا جھنڈا ہے' کیونکہ آپ مسلم لیگ کو اسلام سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ بہت سے لوگ بالخصوص ہمارے ہندو دوست ہمیں غلط سمجھے ہیں۔ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں یا جب ہم کہتے ہیں کہ یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا ہے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مذہب کو سیاست میں گھسیٹ رہے ہیں' حالانکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔ اسلام ہمیں مکمل ضابطۂ حیات دیتا ہے۔ یہ نہ صرف ایک مذہب ہے بلکہ اس میں قوانین' فلسفہ اور سیاست سب کچھ ہے۔ در حقیقت اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی ایک آدمی کو صبح سے رات تک ضرورت ہوتی ہے۔ جب ہم اسلام کا نام لیتے ہیں تو ہم اسے ایک کامل لفظ کی حیثیت سے لیتے ہیں۔ ہمارا کوئی غلط مقصد نہیں 'بلکہ ہمارے اسلامی ضابطہ کی بنیاد آزادی ' عدل و مساوات اور اخوت ہے۔''
اس کے بعد آپ ۶ مارچ ۱۹۴۶ء کو فرماتے ہیں:

"Let us go back to our holy book the Quran; let us revert to the Hadith and the great traditions of Islam, whichhave everything in them for our guidance if we correct interpret them and follow our great holy book the Quran."

''ہمیں قرآن پاک' حدیث شریف اور اسلامی روایات کی طرف رجوع کرنا ہوگا جن میں ہمارے لیے مکمل رہنمائی ہے' اگر ہم ان کی صحیح ترجمانی کریں اور قرآن پاک پر عمل پیرا ہوں۔''

اور

- یہاں پر قائدِ اعظم محمد علی جناح کی تقاریر کی چند شہ سرخیاں پیش خدمت ہیں:

''۶ جون ۱۹۳۸ء: ''مسلم لیگ کا جھنڈا نبی اکرم ﷺ کا جھنڈا ہے۔

۲۲ نومبر ۱۹۳۸ء: ''اسلام کا قانون دنیا کا بہترین قانون ہے۔

۸ اپریل ۱۹۳۸ء' اسٹار آف انڈیا: ''ملتِ اسلامیہ عالمی ہے۔

۷ اگست ۱۹۳۸ء: ''میں اوّل و آخر مسلمان ہوں۔

۹ نومبر ۱۹۳۹ء: ''مغربی جمہوریت کے نقائص۔

۱۴ نومبر ۱۹۳۹ء: ''انسان خلیفۃ اللہ ہے۔

ٹائمز آف لندن، ۹ مارچ ۱۹۴۰ء: ''ہندو اور مسلمان دو جداگانہ قومیں ہیں۔
۲۶ مارچ ۱۹۴۰ء: ''میرا پیغام قرآن ہے۔[107]''

2.1.1.5.4 پاکستان کی فکری بنیادیں اور پیش رفت:

پاکستان کی فکری بنیادیں اور اس کی طرف پیش رفت کے حوالے سے پیش رفت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد اس کی طرف کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ اس میں پوری قوم مجرم ہے۔ پاکستان کا عدالتی نظام سے اسلام کے وضع کردہ نظام عدل سے خالی، پاکستان کی معیشت سود پر مبنی ہے۔ قرآن میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ قرار دیئے جانے اور مسلسل کوششوں کے باوجود کوئی حکومت سود ختم کرنے کو تیار نہیں۔ جاگیرداری نظام قائم جو بھارت میں بھی قائم نہیں جبکہ ہم تو مسلمان ہیں جسے اسلام کے دو بہت بڑے فقہی اور ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے حرام مطلق قرار دیا ہے۔ اور معاشرہ اسلام کی بنیادی تعلیم حیاء کے خلاف بے حیائی کی راہ پر ہے۔ اس سب کا نتیجہ منافقت نکلا ہے۔ نفاق کے نتائج میں بیان کیا گیا ہے کہ ملک مختلف صوبائی، علاقائی، لسانی اور مذہبی اختلافات اور اس پر مستزاد 1971ء میں ملک خداداد پاکستان کا دولخت ہونا۔ قوم میں جھوٹ، وعدہ خلافی۔ خیانت عام ہے اور جو جتنا بڑا ہے وہ اتنا بڑا جھوٹ ہے۔ تیسرا سب سے بڑا نفاق دستور پاکستان میں طے کیا گیا ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو گی، جبکہ عملا بہت سارے قوانین قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ یہ سب منافقت کا پلندہ ہے۔

2.1.1.5.5 مسائل کا حل:

اس کا حل پیش کیا گیا ہے کہ قوم کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر توبہ کی ضرورت ہے۔ انفرادی توبہ حضرت یونسؑ کی قوم کی طرح البتہ اجتماعی توبہ دستوری سطح پر یہ کہ تمام چور دروازے ہی بند کر دیے جائیں۔ جو ترامیم کی گئی ہیں وہ اور فیڈرل شریعت کورٹ کے اختیارات میں لایا جائے۔ یہ اگر باتیں اگر مقبول ہوں تو پاکستان میں ایک soft revolution آجائے گا۔ وگرنہ hard revolution کے لیے کی تیاری کرنی ہو گی۔ اس کی سب سے پہلی ضرورت ایسے لوگوں کو جمع کرنا جو بھی زندگیوں میں اسلام لائیں، معصیت کو ترک کریں، معاشرت و معاش میں حرام چیزوں کو نکال دیں۔ اس کے تنظیم اسلامی کا تزکرہ کیا گیا، کہ جو اس کے طریقہ کار سے مطمئن ہو وہ اس میں شامل ہو ورنہ جہاں کہیں اسلامی نظام قائم کرنے کی جدوجہد ہو اس میں شامل ہوں۔ جب حزب اللہ معتدبہ تعداد میں تیار ہو جائے تو پرامن عوامی احتجاجی تحریک شروع کریں۔ اپنی جان دینے کے لئے تیار ہوں لیکن

---

[107] ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2007ء، طبع دوم، ص 37-36

ملک اور قوم کا کوئی نقصان نہ کریں۔ایسی تحریکات کامیاب ہوئیں ہیں پاکستان میں قومی اتحاد کی بھٹو مخالف تحریک میں بریگیڈیئر محمد اشرف گوندل لاہور میں انکار کر دیا تھا کہ وہ مزید فائرنگ نہیں کریں گے۔ پھر ان کے ساتھ دو بر گیڈیئر اور بھی کھڑے ہو گئے،اور وہ تحریک کامیاب ہوئی۔ اسی طرح یوکرائن، جارجیا، کرغیزستان اور لاطینی امریکہ میں ایسی تحریکات کی کامیابی کی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ ایک منظم پرامن مضبوط جماعت کے ذریعے قیادت سے اپنے مطالبات منوائے جاسکتے۔ [108]

2.1.1.5.6 قائداعظم محمد علی جناح کے آخری کلمات پاکستان کی منزل نظامِ خلافتِ راشدہ:

قائداعظم محمد علی جناح شرافت و مروّت کے پیکر تھے اور ان کے آخری کلمات پاکستان کی منزل نظامِ خلافتِ راشدہ کی خواہش کا اظہار،اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ سیاست میں اسلام اقدار کے خواہاں تھے۔ قائداعظم کے معالج ڈاکٹر ریاض علی شاہ،(پروفیسر آف امراض ٹی بی 'کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج' لاہور) کی یاداشت کا ایک اقتباس روزنامہ جنگ، ۱۱ ستمبر ۱۹۸۸ء کی ایک خصوصی اشاعت میں شائع ہوا۔ جو قائداعظم محمد علی جناح کے نظریہ پاکستان کے حوالے سے ان کے نقطہ نظر کی بہت واضح طور پر عکاسی کرتا ہے۔

'تم جانتے ہو، جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے! یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسولِ خدا ﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں' تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔ پاکستان میں سب کچھ ہے۔ اس کی پہاڑیوں' ریگستانوں اور میدانوں میں نباتات بھی ہیں اور معدنیات بھی۔ انہیں تسخیر کرنا پاکستانی قوم کا فرض ہے۔ قومیں نیک نیتی' دیانت داری' اچھے اعمال اور نظم و ضبط سے بنتی ہیں اور اخلاقی برائیوں' منافقت' زرپرستی اور خود پسندی سے تباہ ہو جاتی ہیں'۔ [109]

خلاصہ مبحث:

- نظریہ و قیام پاکستان دراصل اسلام میں سیاست کی اہمیت اور اس کے اثر کو ظاہر کرتا ہے اور یہ اس کے نشاۃ ثانیہ کی ایک عملی تعبیر ہے۔ جس پر برصغیر اور اسلامی تاریخ کی احیائی تحریکات گواہ ہیں۔
- پاکستان کی فکری بنیادوں میں علامہ اقبالؒ اور دیگر اسلامی جماعتوں کی کے نظریات شامل ہیں۔ جو ایک وسیع تر اسلام کے احیائی عمل کا حصہ ہیں۔

---

[108] ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال، قائداعظم اور نظریہ پاکستان، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2007ء، طبع دوم، ص60-46

[109] ایضاً، ص62

- 24 جنوری 1951ء کو کراچی میں تمام مکاتب فکر کے 31 جید علماء نے متفقہ طور پر پاکستان کے اسلامی آئین کے لیے 22 نکات پر مشتمل ایک دستاویز مرتب کی۔ جس کی صدارت جمعیت علمائے اسلام کے اس وقت کے صدر سید سلیمان ندویؒ فرما رہے تھے۔
- ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مطابق مسلمانان برصغیر تحریک آزادی کے اصل داعی تھے۔ علامہ اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کے پیش نظر ایک الگ ملک کا قیام محض اس لیے ضروری تھا کہ پوری دنیا کو اور مسلمانان برصغیر کو اسلامی اصولوں پر مبنی ایک ریاست قائم کر کے دکھائی جائے جو جدید دور میں خلافت راشدہ کا نمونہ پیش کرے اور اسلام کا نقطہ نظر واضح ہو۔

2.1.2 مبحث ۲: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی سیاسی جدوجہد، مقاصد و محرکات:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی کل جدوجہد دین اسلام کے احیاء کی سعی اور قرآن کی دعوت کے گرد گھومتی ہے۔ عملی زندگی میں مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن، پھر اسلامی جمعیت طلبہ اور بعد ازاں جماعت اسلامی سے تحریکی سفر کا آغاز کیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تبلیغی جماعت اور بالآخر تنظیم اسلامی کی بنیاد رکھی۔ تحریک واحیاء دین کی مساعی کے ذیل میں آپؒ کے آڈیو اور وڈیو خطابات اور تحریریں کثیر تعداد میں دستیاب ہیں۔ اس خاص جہت کے حوالے سے ان کی ایک ضخیم کتاب 'جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی' ہے اور 'اسلام اور پاکستان، تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر'، 'اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام' جس کو وہ اپنی فکر کا نچوڑ قرار دیتے ہیں، 'تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر' اور 'استحکام پاکستان' وغیرہم کتابیں ہیں۔

2.1.2.1 ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے فکری مصادر:

ڈاکٹر صاحب اکثر و بیشتر اپنی تحاریر اور تقاریر میں آٹھ افراد کو اپنا استاد قرار دیتے ہیں۔ ان کے حوالے سے خود ڈاکٹرؒ صاحب اپنی تحریر 'دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر' میں اپنے علم اور فکر دین کے اساسی وسائل درج کر دیئے ہیں۔

'اس کے ضمن میں راقم نے اپنے 'فکر قرآنی' کے چار ابعاد (FOUR DIMENSIONS) کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ اس لیے کہ راقم کے درسِ قرآن کی مقبولیت کا راز دار دراصل اسی میں مضمر ہے کہ اس میں ابوالکلام آزاد اور ابوالاعلی مودودی کی دعوتِ حرکت و جہاد کی للکار بھی موجود ہے، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے تدبر و تعمّق کا عنصر بھی شامل ہے، پھر ڈاکٹر محمد اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین کے سائنسی اور فلسفیانہ فکر قرآنی کی خوشہ چینی بھی ہے، اور سب سے بڑھ کر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کے تمسک بالاسلاف کا تحفظ اور تصوّفِ قرآنی کی چاشنی بھی موجود ہے۔'[110]

2.1.1.2 ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا موقف اور ملت اسلامیہ کا سیاسی احیائی عمل:

عرب سے اسلام کا آغاز اور عروج قریباً 600 سال رہا اور ان کے زوال کے بعد ترکوں کے ہاتھوں اللہ نے دوبارہ اسلام کو دوسرا عروج دیا۔ پھر بیسویں صدی عیسوی اسلام کا بوسیدہ قصر بھی منہدم ہو رہا۔ احیائی عمل میں پہلی بات یہ کہ مختلف جماعتیں جو ایک دوسرے سے بظاہر متضاد نظر آتی ہیں لیکن ایک وسیع تر احیائی عمل ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث ہیں۔ دوسرے یہ کہ

---

[110] ڈاکٹر اسرار احمد، دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر، ناظم مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، 2001، ص 26

یہ کام دس بیس برس میں مکمل ہونے والا نہیں بلکہ درجہ بدرجہ بہت سے مراتب و مراحل گزر کر مکمل ہو گا۔ تیسرے یہ کہ اس تجدیدی مساعی میں افراد کی اہمیت مسلم ہے لیکن جماعتوں اور تنظیموں کے مقابلے میں کم تر ہے۔ پھر یہ جماعتیں بھی تحریکوں میں گم ہو جاتیں ہیں اور پھر یہ تحریکیں بھی وسیع احیائی عمل کی پہنائیوں میں گم ہو جاتیں ہیں جو ان سب پر محیط ہے۔[111]

2.1.1.2.1 پہلا گوشہ؛ مسلمان ریاستوں کا مغربی استعمار سے آزادی:

ملت اسلامیہ کے احیائی عمل میں اولین مرحلہ مسلمان ریاستوں کا مغربی استعمار سے آزاد ہونا تھا۔ (جو قریبا 30، 40 سال میں ہوئیں، اور یہ بھی کہ یہ کام جن لوگوں کے ہاتھوں ہوا جو کسی مذہبی تشخص کے افراد نہ تھے بلکہ قومیت کے جذبے تحت مسلمان ممالک استعمار سے آزاد ہوئے)۔ اگرچہ خالص نظریاتی سطح پر قومیت کی بنیاد پر یہ آزادی اسلام کے احیاء کے نقطہ نظر سے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے اللہ پاک اپنے بندوں میں جس سے چاہے کام لے لیتا ہے۔ لیکن اس بات کو تحریک پاکستان کا معاملہ بالکل منفرد قرار دیا ہے۔ وہ یہ کہ اس کی اساس قوم نہیں بلکہ تمام ہندوستانی مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے والا جذبہ محرکہ اسلام ہے، یعنی مذہبی جذبے کو بروئے کار لایا گیا کہ پاکستان کا مطلب کیا 'لا الہ الا اللہ'۔ البتہ دیگر اسباب میں مسلمانوں کے معاشی اور معاشرتی مسائل، مسلمانوں کی کل دنیا میں تنزلی، علاوہ ازیں ہندوؤں (میں ہزار سالہ شکست) کا انتقام کا خوف تھے۔ البتہ مثبت طور پر مسلمانان برصغیر کا مذہب کے ساتھ جذباتی لگاؤ کس کی ایک بڑی مثال خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد تحریک خلافت جو کہ پوری دنیا میں صرف برصغیر کے میں خلافت کو بحالی اور اس کے رد عمل میں تحریک چلائی گئی۔ یہ اس قدر زوردار تھی کہ گاندھی جیسا شخص بھی اسمیں شامل ہو گیا۔ دوسری وجہ علامہ اقبالؒ کی شاعری جس نے خواب غفلت سے مسلمانوں کو جگانے کا کام کیا۔ اس طرح پاکستان کی بنیاد اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تمہید بن گئی۔[112]

2.1.1.2.2 دوسرا گوشہ؛ روایتی اسلام:

اس ہمہ جہتی عمل کا دوسرا اہم گوشہ علمائے کرام کی کی مختلف جماعتیں اور تنظیمیں ہیں جو پورے عالم اسلام میں منفرد ہیں۔ اور روایتی اسلام (Orthodox) کی جڑیں جتنی مضبوط یہاں ہیں اور کہیں نہیں۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مسلمانوں کی توجہ علم دین کے اصل سرچشموں قرآن و حدیث کی طرف منعطف کرائی اور فکر اسلامی کی تدوین نو سے یہاں رجال دین کی ساکھ مضبوط ہوئی۔ اس ضمن میں علماء دین نے عقیدہ اور اعمال کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، یہ ایک نسبت سابق مجدّدین سے پیدا ہو گئی لیکن

---

[111] ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر، ناظم واشاعت تنظیم اسلامی، لاہور، جون 2005ء، ص 27

[112] ایضاً، ص 28 تا 31

علوم جدیدہ اور دور حاضر کے افکار و نظریات کا مقابلہ کے لیے یہ کافی نہیں۔ البتہ دین اسلام کے عقائد و اعمال کی حفاظت بھی ایک بڑی خدمت ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تبلیغی جماعت ہے۔ جس سے عوامی سطح پر تجدید ایمان تحریک برپا ہوئی جو بلاشبہ احیائے اسلام کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔

2.1.1.2.3 تیسرا گوشہ؛ اسلام کے احیائی سیاسی تحریکیں:

وہ جماعتیں ہیں جو خالص احیائے دین کے لیے اٹھیں، انھیں میں سے ایک جماعت الاخوان المسلمون بھی ہے جو ایک وقت میں مسلمانوں کی امید کا مرکز بن گئی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ احیائی عمل کے اس گوشے میں بھی اصل اہمیت برصغیر ہندو پاک ہی کو حاصل ہے۔ برصغیر میں تحریک احیائے دین کے مؤسّس اوّلین اور داعی اوّل مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ انھوں نے حکومت الہیہ کے قیام اور اس کے لئے حزب اللہ کی تاسیس پر زور دعوت پیش کی۔ اس دعوت میں لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کیا لیکن بمطابق ڈاکٹر صاحب بعد میں اس عظیم مشن کو خیر آباد کہہ کر انڈین نیشنل کانگریس میں باقی پوری زندگی ہندوستان کی نیشنل سیاست کی نذر کر دی۔ مولانا آزادؒ کی اسی انقلابی دعوت کو بعد میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنایا اور اسی بنیاد پر جماعت اسلامی قائم کی، جو بلند ترین تصوریت پسندانہ موقف کے اعتبار سے اصولی اسلامی انقلابی جماعت تھی، جو وقت کی اہم ضرورت تھی۔ اس کی بنیاد میں عزیمت کی بیشتر مثالیں رقم ہوئیں۔ اسکا ابتدائی خاکہ ابو الکلامؒ کی 'حزب اللہ' کا قیام جبکہ اس کی تکمیلی صورت مولانا مودودیؒ سے ہوئی۔ لیکن مولانا مودودیؒ 1947ء پاکستان کے قائم ہوتے ہی اپنے اصولی موقف 'اس جدوجہد میں اولین اہمیت علمی اور فکری انقلاب کو حاصل ہے، پھر عملی اور اخلاقی تبدیلی اور معاشرتی اصلاح کو، نظام حکومت کی تبدیلی کا مرحلہ ان سب کے بعد آتا ہے'[113]، کو ترک کر کہ عملی سیاست میں قدم رکھ دیا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست کے میدان میں پے در پے ناکامیوں کی وجہ سے پست تر موقف اختیار کرتی چلی گئی۔ اس کی مختصر توضیح یہ کہ جماعت اسلامی نے 1951ء کا الیکشن ہارنے کے بعد پہلے مذہبی جماعتوں کے ساتھ اشتراک سے منزل سر کرنے کی کوشش کی اور کامیابی نہ ہونے پر، جماعت اسلامی انہیں سیکولر اور لادین جماعتوں کے ساتھ مل کر میدان سیاست میں آئی جن کے خلاف وہ خود اس میدان میں اتری تھی۔[114]

---

[113] ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر، ناظم واشاعت تنظیم اسلامی، لاہور، جون 2005ء، ص 38

[114] ایضاً ص 28تا42

2.1.1.3 ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے سیاسی جدوجہد اور محرکات:

ڈاکٹرؒ صاحب مزید اس بارے میں لکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے اس انتقال موقف سے احیائے اسلام کی ہمہ جہتی عمل میں ٹھیٹھ اصولی اسلامی تحریک کی جگہ پھر خالی ہو گئی۔ جماعت اسلامی میں موقف کی تبدیلی پر 1956ء اور 1957ء میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اس اختلاف کے نتیجے میں جماعت اسلامی سے اکابر کی اکثریت اور عمومی ارکان جماعت، جماعت اسلامی سے کٹ گئے۔ ان میں ایک ڈاکٹر اسرارؒ بھی تھے جنھوں نے بعد میں تنظیم اسلامی قائم کی۔ جس کا محرک اس خلاء کو پُر کرنا اور اپنے دینی فریضے کی ادائیگی قرار دیا گیا۔[115]

مندرجہ بالا صورتحال میں ڈاکٹر صاحب نے ایک جماعت قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس جماعت کی بنیاد و محرکات کے بیان میں رقم طراز ہیں۔

'تنظیم میں شمولیت کا راستہ ذاتی طور پر امیر تنظیم سے بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف میں منسلک ہونے کا راستہ ہے۔۔۔۔ میری فکر، میری سوچ اور میرے نقطۂ نظر کے متعین ہونے میں دو اہم ترین عوامل تھے۔ بالکل اوائل عمر یعنی بچپن ہی میں میں جس چیز سے سب سے زیادہ متأثر ہوا تھا وہ علامہ اقبال کی ملی شاعری تھی۔۔۔۔ میرے ذہن و فکر اور میری سوچ پر دوسری بڑی چھاپ مولانا مودودیؒ کی ہے'[116]

ڈاکٹرؒ صاحب پر کو مولانا مودودیؒ کی فکر کے دو پہلوؤں نے بہت متاثر کیا ان میں پہلا جس کی ابتداء تو علامہ اقبالؒ کی شاعری سے ہوئی تھی اس میں تفصیل کا رنگ مولانا مودودی کی کتابوں نے بھرا، وہ یہ کہ 'اسلام ایک مذہب نہیں، دین ہے، یہ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے اور یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے، یہ مغلوب ہونے کے لیے نہیں آیا'۔ دوسرا پہلو فرائضِ دینی کے حوالے سے بیان کیا کہ 'فرائض دینی صرف ارکان اسلام ہی نہیں ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر آگے بھی ہیں'۔ اس حوالے سے نے تحاریر اور تقاریر موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انفرادی زندگی میں مکمل طور پر اسلام کی پیروی کرنا، دوسرے درجے میں اسی بندگی ربّ کی دعوت لوگوں کو دینا اور اس عبادت کا تیسرا پہلو دین اللہ کو قائم کرنے کی کوشش کرنا۔

---

[115] ایضاً ص 28تا42

[116] ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی کی دعوت، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2018ء، ص 8-5

تنظیم اسلامی کے قیام کے وقت ہی ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو طے کر دیا کہ وہ مروّجہ سیاست سے یعنی محض اقتدار کی کشاکش سے الگ رہیں گے۔ اس لیے کہ ان کے مطابق اِس ملک میں سیاست صرف جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں کا مشغلہ ہے یا دوسرے درجے میں سرمایہ داروں کا کام ہے۔ اس کا اسلام اور اسلامی نظام سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسری بات یہ بھی کہ اس جماعت کے ذریعے کوئی مذہبی پیشوائیت یا پیشہ یعنی اس کو مسلک بنانا بھی مقصود نہیں تھا۔ اس لیے اس جماعت اہل سنت کے عقائد پر ہر مسلمان شامل ہو سکتا ہے۔

2.1.1.4 تنظیم اسلامی کے قیام کا مقصد:

'اولاً تو یہ صرف دینی فرض کا احساس ہے جس کے تحت میں یہ کام کر رہا ہوں۔۔۔ ثانوی درجے میں میرا یہ یقین ہے کہ اسی دینی فرض کی ادائیگی پر اُمتِ مسلمہ کی فوز و فلاح کا دار و مدار ہے۔۔۔ تیسرے درجے میں مجھے یہ یقین حاصل ہے اور اس کو میں نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ وہ ملک جس کو ہم ''مملکتِ خداداد پاکستان'' کہتے ہیں اس کی بقا اور استحکام کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم ان دینی فرائض کو ادا کرنے کے لیے کمر کس لیں اور یہاں اللہ کے دین کو قائم کریں جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔ گویا میرے نزدیک اصل میں ایک تیر سے تین شکار پیش نظر ہیں۔'[117]

2.1.1.4.1 ڈاکٹر اسرار احمد کی قائم کردہ جماعت 'تنظیم اسلامی' کا مختصر تعارف:

تنظیم اسلامی مروّجہ مفہوم کے اعتبار نہ سیاسی جماعت نہ مذہبی فرقہ، بلکہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے۔ جو اوّلاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں دین حق یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر نظام خلافت قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے! تنظیم اسلامی کا نظم بیعت سمع و طاعت پر قائم ہے۔ اس لیے فیصلے کا اختیار امیر کا ہوتا ہے۔

تنظیم اسلامی ملکی انتخابات میں حصہ نہیں لیتی، نہ اپنے کسی رکن یا رفیق کو انتخابات میں شمولیت یا کسی پارٹی کے لیے کنونسنگ کی اجازت دیتی ہے۔ البتہ ووٹ کو ایک قومی امانت سمجھتی ہے۔ جو رفیق تنظیم کسی کو ووٹ دینا چاہے، (وہ ایسے شخص کو ووٹ دے جو ظاہری اعتبار فاسق و فاجر نہ ہو اور نہ اس کی جماعت میں کوئی غیر اسلامی شق شامل ہو) کو اس کی اجازت ہو گی۔[118]

---

[117] ڈاکٹر اسرار احمد، تنظیم اسلامی کی دعوت، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2018ء، ص 12-11

[118] دستور تنظیم اسلامی، اظم و اشاعت تنظیم اسلامی، لاہور، طبع و ترمیم شدہ اپریل 2013ء ص 3,15

خلاصہ مبحث:

الغرض اس بحث و تحقیق سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ

- ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی قائم کردہ جماعت 'تنظیم اسلامی' کا محرک اصلی 'دینی تقاضوں کی ادائیگی' ہے۔ اس کے ضمنی مقاصد میں 'استحکام پاکستان اور فلاح امت' بھی ہے۔
- تنظیم اسلامی مروّجہ مفہوم کے اعتبار سے نہ سیاسی جماعت نہ مذہبی فرقہ، بلکہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے۔ جو اوّلاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں دین حق یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر نظام خلافت کو قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے۔ اس سے مراد یہ کہ مسلکی اختلافات اور انتخابی سیاست سے بالاتر ہو کر نفاذ شریعت کی جدوجہد کرنا۔
- اسلام کے سیاسی زوال کے بعد پورے عالم اسلام میں احیاء اسلام فکر پیدا ہوئی۔ اس کام کو بہت سارے علماء و فضلاء نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا، اسے اجاگر کیا اور اس کے لیے بھرپور قربانیاں دیں۔
- ڈاکٹرؒ صاحب اسلام کے وسیع تر احیائی عمل کی تین جہات بیان کرتے ہیں۔ (۱) استعمار سے آزادی، (۲) عقائد اور اعمال کی حفاظت یعنی روایتی علماء و مدارس، (۳) احیائی تحریکات
- مغربی استعمار غلبہ پچھلے دو ڈھائی سو سال سے اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑھے ہوئے ہے۔ اگرچہ ظاہری اعتبار سے تو مسلم ممالک آزاد ہو چکے تھے لیکن فکری اعتبار سے آزاد نہیں ہو سکے۔ اب تک (سوائے افغانستان کے اور وہ بھی انتہائی ابتدائی مراحل میں ہے) نشاۃ ثانیہ کا کام کسی مؤثر سطح پر نظر نہیں آرہا۔

2.2 فصل ۲: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی مساعی اور مستقبل کے تعمیری امکانات:

قبل ازیں فصل میں تاریخ و نظریہ پاکستان اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی سیاسی مساعی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس بحث میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی اساسی فکر اور پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال کے تناظر میں افکار اسلامی کی ہم آہنگی اور نفاذ اسلام کے رجحانات اور مستقبل میں اس کے تعمیری امکانات کا جائزہ لیا جائے گا۔

2.2.1 مبحث ۱: پاکستان کی نظریاتی اساس اور استحکام:

کسی بھی ریاست کی بقا اور استحکام کے لیے جو بھی عمومی اسباب و ذرائع بیان کیے جاتے ہیں، ان میں سر فہرست اس ریاست کا سیاسی، معاشرتی اور معاشی استحکام بنیادی اسباب قرار دیئے جاتے ہیں۔ اگر ان اسباب کو مزید اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے تو سیاسی استحکام دراصل ہی معاشی اور معاشرتی نظام کو اساس فراہم کرتا ہے اور اس کے اصول و ضوابط، اس کی وسعت و تحدید کا ذمہ دار ہوا کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سیاسی استحکام کیسے ممکن ہو گا؟

2.2.1.1. سیاسی عدم استحکام کے اسباب:

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی اپنی کتاب 'ریاست و حکومت کے اسلامی اصول' کے مقدمے میں یہ بات درج کرتے ہیں کہ:

'تہذیب و تمدن کی ترقی کے تمام دعوؤں کے باوجود یہ تلخ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے، کہ آج کی دنیا کی اکثر ریاستیں، سیاسی و معاشرتی لحاظ سے عدم استحکام کا شکار ہیں۔ چند معاشروں میں حکومتی نظام کی مضبوطی اور وسائل کی فراہمی نے ایک مخصوص طبقے کے مفادات کا تحفظ کیا ہوا ہے، مگر اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں کہ انسانی تمدن من حیث المجموع ترقی پذیر ہے۔ انسانی آبادی کا اکثر حصہ سیاسی ابتری اور معاشی بدحالی کا شکار ہے'۔ اسی مقدمہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اس کے حل کا بیان کیا گیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ مفکرین نے سیاسی مسئلہ کا حل پیش کرنے کی جو بھی کوشش کی اور اس کے اسباب گراوٹ کو تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان سب میں سطحیت ہے۔ معاشی حل سرمایہ دارانہ نظام کے بجائے کمیونزم، سیاسی حل بادشاہت کے بجائے جمہوریت وغیرہ کو سمجھا گیا ہے۔ لیکن انسان کا اصل مسئلہ اس کی نظریاتی محدودیت اور کمزور اساس کا ہے۔[119]

---

[119] مستفیض علوی، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، پورب اکادمی اسلام آباد، 2010ء، ص 7

پاکستانی سیاست کی نظریاتی اساس اور اس کے استحکام کے بارے میں بلاتامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں اسلام سے وابستہ ہیں۔ اس مبحث میں اس کی عملی صورت حال اور استحکام کے حوالے پیش رفت اسباب وذرائع اور جدوجہد وامکانات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

2.1.1.1 سیاسی جماعتوں کی کثرت:

اس حوالے سے تنویر بخاری اپنی کتاب 'پاکستان میں سیاسی جماعتیں اور پریشر گروپ' میں پاکستان میں سیاسی جماعتوں کے کردار کے میں لکھا ہے کہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں کی تعداد ضرورت زائد ہے جبکہ ایک مستحکم جمہوریت کے لیے مناسب یہی ہے کہ یہ تعداد دو یا تین یا چار ہو۔ان کی تعداد بڑھنے کی ایک بڑی وجہ اور سرمایہ دار ٹولے کی خود غرضی ہے۔اس لیے کہ اگر ان کو کسی پارٹی کا ٹکٹ ان کی خواہش کے مطابق نہ ملے تو اپنی ایک نئی جماعت بنا لیتے ہیں۔اسی بنا پر ہی جماعت سے کٹ کر ایک جماعت کے کئی حصے ہو چکے ہیں۔ مثلاً مسلم لیگ سے آٹھ سے دس مسلم لیگ ہو گئیں، اسی طرح پیپلز پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام وغیرہ ہیں۔اس کا حل یہ تجویز کیا گیا کہ الیکشن تسلسل سے ہوں تاکہ غیر موثر جماعتیں یا کسی بڑی جماعت میں ضم ہو جائیں یا ختم ہو جائیں۔[120]

2.2.1.1.2 شخصیت پرستی وموروثیت:

پاکستان نے ہمیشہ سیاست پر جاگیر داروں کا راج رہا ہے۔ پاکستان بنتے ہی اس طبقے نے سیاست اور حکومت پر قبضہ کر اور اقتدار کے تمام تر وسائل ذاتی اغراض وعیش پر صرف کیے اور ان کی جائیدادوں اور زمینوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا، نتیجہ یہ نکلا کہ اس قوت و اقتدار کو دوام ان کے کمیوں اور مزیروں کی ووٹ سے ملتا رہا۔ جاگیر داروں کے ہاں عوامی نمائندگی کا کوئی اصول نہیں، پارٹی سربراہ ہی اصل میں فیصلہ کن حیثت رکھتا ہے۔ان کی نمائندگی ہر جماعت میں ہے، سیاسی جماعتیں ان کے سامنے مجبور محض ہے۔اس لیے کہ وہ اپنے علاقوں میں وہ بہت مضبوط علاقائی اثرات رکھتے ہیں ان کی اقربا زیادہ ہی برادریاں بڑی ہے۔اسی حوالے سے پروفیسر احمد جمال فاروقی صاحب اپنی کتاب 'پاکستان کا نظریہ حکومت اور سیاست میں' میں رقمطراز ہیں کہ یہ لوگ یہ اقتدار والوں کے لئے کی مجبوری ہیں۔اور پاکستان کی سیاست میں جمہوری کلچر نہیں بلکہ کسی پارٹی کا فیصلہ کن اختیارات سربراہ ہوا کرتا ہے اور اسی کے گرد کل ارکان جماعت اور عوام نظریات گھومتے ہیں، یہ شخصیت پرستی کا نتیجہ ہے جو ہمارے ہاں مدتوں سے عقیدہ

---

[120] تنویر بخاری، پاکستان میں سیاسی جماعتیں اور پریشر گروپ، ایور نیو بک پیلس، لاہور، ص 33

کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس ایک شاخسانہ جماعتوں میں موروثیت کی افزائش ہے جو محدودیت، معقولیت اور جمہوریت کی نفی ہے. پاکستان کی اسلامی جماعتیں عوام میں کوئی خاص مقبولیت سکیں۔[121]

2.2.1.1.3 جذباتیت محض:

اس پر پروفیسر محمد عثمان صاحب لکھتے ہیں کہ پاکستان میں مذہبی جذبات بہت زیادہ ہے لیکن عمل کی دنیا میں صورت حال مایوس کن ہے۔ ان میں جماعت اسلامی مذہبی جماعتوں میں سرفہرست لیکن عوام میں سیاسی میدان میں اس کو مقبولیت حاصل نہیں۔ خدمت خلق کے معاملے میں اس کا حصہ کافی ہے. عوام جماعت اسلامی کو ووٹ نہیں دیتی اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اقتدار میں آجائیں گے تو ناجائز کاروبار بند کر دیں گے جو عوام کو گوارا نہیں۔ علماء اسلام جمعیت علمائے پاکستان جمعیت مشائخ نے خاص طور پر مذہب کا اپنا اوڑھنا بچھونا نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ سیاسی تقاضوں کے پیش نظر رکھا ہے۔

2.2.1.1.4 قابلیت کا فقدان اور عدم احتساب و باہمی گٹھ جوڑ:

اسباب مسائل میں سے سیاستدانوں کی قابلیت کا معیار ان کی تعلیم و تجربہ کے بجائے دولت، خاندانی پس منظر اور اثر و رسوخ ہوتا ہے۔ اس بناپر تعلیمی قابلیت پاکستان کی سیاست میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کی مثال چیف ایگزیکو آف پاکستان جنرل پرویز مشرف اپنے دور حکومت میں جب ممبر قومی اسمبلی کے لیے گریجویٹ کی شرط لگائی تھی تو لوگوں نے جعلی ڈگریاں جمع کروائیں. دوسرا بڑا المیہ احتساب کا فقدان ہے۔ اقتدار میں آنے کا عمومی تصور ہی دولت اور لوٹ کھسوٹ بن چکا ہے۔ اس پر جو کوششیں بھی ہوئی غیر مؤثر رہیں۔ مثلاً 1990ء میں قائم کی گئی احتساب عدالتیں۔ اس کی ایک وجہ اتحاد اور الائنس قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے کی نداعمالیوں کو روا رکھا گیا یا ذاتی مفادات اور ذاتی مخالفت کی بناپر اتحاد قائم کیے جاتے رہے اور اسلام کا نام استعمال کیا جاتا رہا۔ اس کی تاریخ کافی پرانی ہے 1953ء پہلا الائنس ایوب خان کے عہد میں، دوسرا محاذ تمام پارٹیز سارے بھٹو کے دور میں 1977ء میں تحریک نظام مصطفی کے نام سے, اسلامی جمہوری اتحاد بے نظیر بھٹو کے خلاف جماعتی جمع ہوئی یہی اتحاد 1990ء میں بھی قائم رہا، 1993ء میں اسلامک فرنٹ کے نام سے اس وقت پیپلز پارٹی کے مقابلے میں قائم کیا گیا۔ ان سب

---

[121] ایضاً، ص36

اتحادوں سے عوام الناس کوئی فائدہ حاصل ہوا نہ ملک کو، بلکہ بد دیانتی اور بدامنی کو فروغ حاصل ہوا اور جن کو مفاد مطلوب تھے، وہ حاصل ہوئے اور عوام استعمال ہوئے۔[122]

2.2.1.2 استحکام پاکستان اسلام سے وابستہ ہے:

پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم ہونے والا ملک اور اس کی شناخت بھی یہی ہے۔ معترضین کا کہنا ہے کہ مذہب معاشرے اور وقت کے ساتھ ترقی کرتے ہیں، اسی طرح قوانین بھی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہنے چاہیے۔ دراصل سوال یہ نہیں کے معاشرے بدلتے ہیں یا نہیں، سوال یہ ہے کہ معاشروں میں کیا بدلتا ہے؟ کیا فیشن یا انسانی آبادی پنی نفسانی خواہشات کے مطابق قانون سازی کرنا چاہیے؟ در حقیقت بات یہ ہے کہ فطری وانسانی خیر و شر کے اصول کبھی نہیں بدلتے۔ اللہ کی سنت کبھی نہیں بدلتی۔ روشنی ہمیشہ سے روشنی ہے اور تاریکی ہمیشہ سے تاریکی، نیکی اور بدی کا تصورات مثلاً انسانی ہمدردی، صدق وامانت، باہمی عدل و مساوات ہمیشہ سے خیر کا نشان رہے ہیں، اور اب تک مانے جاتے ہیں۔ ظلم واستحصال اور ایسے ہی اور معیارات زندگی ازل سے پسندیدہ نہیں۔ گویا انسان کا اصول نہیں بدلا اور نہ کبھی بدلتا ہے۔ بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ رہن سہن اور استعمالات بدلتے ہیں۔ حکمت وزینت اسلام یہ ہے کہ اسلام اصول اور مبادیات فراہم کرتا ہے اور وقتی ضروریات انسانی کے لیے وسعت بھی رکھتا ہے، جو بوقت ضرورت، اجتہاد کو سے پوری ہو جاتی ہے۔

2.2.1.3 ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور استحکام پاکستان:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس ذیل میں بیان کرتے ہیں کہ ں کہ دراصل پاکستان کا مستحکم ہونا محض دینی اور مذہبی نقطہ نظر سے ہی نہیں بلکہ خالص مادی اور دنیاوی اعتبار سے بھی اہم ہے۔ یقیناً اس میں رہنے والوں زندگی اس سرزمین پر ہے اور اس کا مستحکم ہونا یا انتشار میں ہونا، دونوں صورتوں میں ان کہ زندگیوں پر اثرانداز ہوگا اور یہ کہ دنیا میں موجود ممالک کن عوامل سے تقویت پاتے ہیں۔[123]

2.2.1.3.1 تاریخی عوامل:

ان میں سب سے پہلے تاریخی عوامل کو بیان کیا گیا ہے جس کی بنیاد پر کسی ملک کو تقدس حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال میں چین کو بیان کیا گیا جو صدیوں سے اسی نام سے قائم ہے، یہاں تک کہ چین کے کچھ حصے پر جاپان کا قبضہ بھی رہا لیکن اس کا نام چین ہی رہا۔

---

[122] ایضاً ص 43

[123] ڈاکٹر اسرار احمد، استحکام پاکستان، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2022ء، طبع 11، ص 69

یہ ایک تاریخی حقیقت اور تقویت کا موجب ہوتا ہے۔ جبکہ پاکستان کے پاس ایسی کوئی تاریخ نہیں۔ اس کا نام ایک صدی سے بھی کم پرانا ہے۔ مشرقی پاکستان الگ ہوا تو انہوں نے اپنی پیشانی سے اس نام کو اتار دیا اور اپنا نام بدل لیا۔ جب کہ پوری دنیا میں دو مختلف اقتدار کی مالک ممالک ایک ہی نام سے جانے اور پکارے جاتے ہیں۔ جیسے دو جرمنی، دو یمن، دو کوریا وغیرہ۔

2.2.1.3.2 جغرافیائی عوامل:

جغرافیائی عوامل بھی ملکی استحکام کا باعث بنتے ہیں۔ کچھ ممالک کو قدرتی طور پر ایسا جغرافیہ عطا ہوتا ہے جو ان کے دفاع کے لئے مدد و معاون ہوتا ہے۔ پاکستان کو کوئی ایسی فطری و طبعی سرحد حاصل نہیں، جو ملک کے لیے تقویت کا باعث ہو۔

2.2.1.3.3 انسانی جذبہ:

انسانی جذبہ کچھ قوموں میں کچھ خاص خصوصیات ہوا کرتیں ہیں۔ مثلا قوم پرستانہ جذبہ یا مذہبی جذبہ، اس بنیاد پر قومیت مضبوط ہوتی ہیں۔ قوم پرستی کی دو مثالیں جرمن اور یہودی اس دنیا کی بڑی مثالیں ہیں۔ اسرائیل کے حوالے سے یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ مذہبی بنیاد پر ملک قائم کیا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صیہونیت (Zionism)، دراصل ایک دینی اور مذہبی تحریک نہیں بلکہ نسل پرستانہ تحریک ہے۔ جس بنیاد پر اسرائیل قائم کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے پاکستان ایسا ملک ہے جس میں بہت ساری اقوام جمع ہیں۔ مختلف اقوام کے لوگ یہاں موجود ہیں، آریائی نسل سے تعلق رکھنے والے بھی، منگول بھی، بلوچ اور افغان بھی، شمالی علاقہ جات شین اور بلتی بھی، الغرض کوئی ایسی قوم یہاں اتنی اکثریت میں نہیں جو غالب آسکے اور استحکام پاکستان کا باعث بن سکے۔ انسانی جذبہ کے ذیل میں لسانی قوم پرستی کی مثال دنیا میں عرب اور بنگلہ ہیں۔ قیام پاکستان کے فورا بعد پاکستان میں بنگلہ اور اردو زبان مد مقابل کی حیثیت سے سامنے آگئیں تھیں۔ قائد اعظم کو اس مسئلے کی شدت کے پیش نظر خود علالت کے باوجود مشرقی پاکستان کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ بنگلہ دیش کا دو لخت ہونے کہ اسباب اس کے علاوہ بھی ہیں لیکن ایک مثبت محرک لسانیت ہے، جس بنیاد پر ملک کا نام بھی بنگلہ دیش رکھا گیا۔ سقوط ڈھاک کے بعد سندھ میں ی لاوا پھٹ پڑا تھا۔ اس جذنے سے پاکستان میں تقسیم تو ممکن ہے۔ اتحاد نہیں۔ انسانی جذبے کا تیسرا پہلو وطنی قومیت ہے۔ مسلمان بنیادی طور پر اپنے مذہب کے اعتبار سے آفاقی ہے۔ اور عہد حاضر میں وطنی قومیت کا رنگ بہت گہرا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو دنیا میں اثر آج بھی اصل راج رنگ و نسل، عقیدہ و مذہب، اور زبان و ثقافت ہی کا ہے۔ وطنی قومیت، ملکی دستور میں شہریت اور پاسپورٹوں کے اندراج کے طور پر کام آتی ہے۔ اس نے کسی 'موثر قوم پرستی' کی صورت کہیں بھی اختیار نہیں کی۔ اگرچہ پاکستان کے لیے یہ ایک اساس و سکتی ہے لیکن پاکستانی

نیشنلزم کے نام پر کوئی شے نہ تاحال وجود میں آئی ہے نہ ہی آئندہ اس کا کوئی امکان ہے کہ اس کی بنیاد پر پاکستان کی تقویت ہو سکے۔[124]

2.2.1.3.4 اساس پاکستان اور استحکام سیاست کے اقدام:

پاکستان کی اصل وجہ قیام، اس کی بنیاد دو قومی نظریہ ہے۔ مسلم لیگ کا بھی بنیادی اختلاف کانگریس سے اسی معاملہ میں تھا۔ کانگریس کے نزدیک قومیت کا علیحدہ شے تھی اور مذہب و ملت الگ، چنانچہ ہندوستان میں موجود تمام مذاہب پر مشتمل تھی۔ انڈین نیشنل یا ہندی قوم جملہ مذاہب کے پیرو کے نزدیک قابل قبول نظریہ تھا۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک ہر گز قابل قبول نہیں تھا۔ ان کا جداگانہ قومی تشخص کی سیاست میں مذہب کا لازمہ قرار پاتا ہے۔ علامہ اقبال کی جو مفکر و مصور پاکستان ہیں کا کلام اس موضوع پر واضح اور دوٹوک انداز میں اس وطنیت کی نفی کرتا ہے۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے — غارت گر کاشانہ دین نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دِکھادے! — اے مصطفوی! خاک میں اِس بت کو ملادے

2.2.1.3.5 مسلمان کے لیے مذہب کے علاوہ کچھ نہیں:

ہندوؤں میں 'بھارت کی جے' اور 'دھرتی ماتا' کے ذریعے ہندوؤں کے جذبات کو ابھار اور احساسات میں ارتعاش پیدا کیا ہو جاتا ہے جبکہ مسلمان کا مزاج آفاقی ہے اور بالخصوص ان میں برصغیر کے مسلمانوں کا کچھ زیادہ آفاقیت رکھتا ہے۔ اس لیے کے عالم اسلام میں جہاں بھی مسلمانوں کو گزند پہنچی اس کی سب سے زیادہ تکلیف کا اظہار اس خطہ میں ہوا۔ اس کی مثال طرابلس جب میں مسلمانوں کے جھنڈے سرنگوں ہوئے تو مولٰنا حمید الدین فراہیؒ جو اصل ہندی اور راجپوت تھے، لیکن مسلمان تھے، کی طرف سے مرثیہ کہا گیا۔

كَيْفَ الْقَرَارُ وَقَدْ نُكِس اَعْلاَمُنَا بِطَرابَلس

'قرار کیسے نصیب ہو جب کہ ہمارے جھنڈے طرابلس میں سرنگوں کر دیئے گئے۔'

---

[124] ڈاکٹر اسرار احمد، استحکام پاکستان، ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2022ء، طبع 11، ص 80-70

اسی طرح مولانا حالی نے امت کی زبوں حالی کا جس درد سے بیان کیا ہے یہ بھی امت کے درد کو واضح کرتی ہے۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جذر کے بعد دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے جذبات ترکوں کی حمایت میں جنگ عظیم اوّل دوران، وہ تحریر سحر انگیز اور جرات کی اعلیٰ مثال ہیں۔ الہلال اور البلاغ میں یہ مضامین چھپے۔ اور علامہ اقبال کی شہرت ہی مسلمانوں کی بیداری اور امت کا دوبارہ عروج حاصل کرنے کی کوشش پر مبنی ہے۔ اسی طرح نے برصغیر کی پاک وہند سلطنت عثمانیہ کے ختم ہونے پر عظیم اور پرزور تحریک خلافت کا آغاز جس کی کوئی مثال پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملتی۔

باب کی اخیر میں بحث کا حاصل لکھتے ہیں۔

'وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

اس پوری بحث کا حاصل یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

تقدس''کا عامل موجود ہے نہ ہی ''جغرافیائی عوامل''اس کے پشت پناہ ہیں، پھر کوئی نسل، لسانی یا وطنی قومیت کا جذبہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اِس کے استحکام کے لیے پختہ اساس اور سنگین بنیاد کا کام دے سکے_____ لہٰذا اِس کے استحکام کا کل دار و مدار صرف ایک چیز پر ہے اور وہ وہی ہے جس نے اِسے جنم دیا تھا_____ یعنی ''مذہبی جذبہ''۔ گویا پاکستان کا معاملہ بالکل ؏ ''کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو''! والا ہے کہ اگر اِسے اپنی بقا مطلوب ہے اور یہ کسی دوسری طاقت کا طفیلی یا زیر دست بن کر نہیں، بلکہ باوقار اور باعزت اور حقیقتاً آزاد اور خود مختار ہو کر باقی رہنا چاہتا ہے تو اِس کے لیے کوئی اور چارۂ کار سرے سے موجود ہی نہیں ہے سوائے اِس کے کہ یہ اِسلام کا دامن تھامے اور اُسی کا سہارا لے۔[125]''

خلاصہ مبحث:

- مادی اعتبار سے کسی ریاست کا اصل استحکام اس کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی استحکام ہوتا ہے، البتہ ان تینوں پہلوؤں کا اظہار سیاسی استحکام سے ہوتا ہے۔

[125] ڈاکٹر اسرار احمد، استحکام پاکستان، ناظم نشرواشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2022ء، طبع 11، ص 89-69

- استحکام کے پیچھے کوئی نہ کوئی اصول، نظریہ اور قانون موجود ہوتا ہے۔ بغیر کسی ٹھوس اصول کے ترقی و استحکام نہیں ہوتا۔
- اسلام کے نظریہ حیات و سیاست بہتر کو نظریہ و اصول نہیں، اس کی مثالیں اس قبل دنیا دیکھ چکی ہے۔
- پاکستان میں عدم استحکام اور اسلام کے رائج نہ ہونے کی بنیادی وجہ پاکستان کی سیاست چند ہاتھوں میں مقیّد ہونا ہے، جس کی بنیاد ذاتی مفادات، موروثیت اور لا قانونیت ہے۔
- سر زمین پاکستان لسانیت اور جغرافیائی حدود کی بنیاد پر تقسیم تو ہو سکتی ہے، مستحکم نہیں ہو سکتی۔ اس کا استحکام اسی بنیاد پر ممکن ہے جس بنیاد پر لاکھوں جانوں کی قربانی دی گئی اور وہ بنیاد کلمہ ہے۔

2.2.2 مبحث ۲: پاکستان میں مذہبی جماعتوں کے مابین رواداری اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ:

2.2.2.1 اسلام میں رواداری و وحدت:

وحدت اور رواداری کی ضد انتشار اور افتراق ہے اور وحدت اہمیت اور ضرورت عصر حاضر میں نہ صرف پاکستان بلکہ امت مسلمہ کا درد رکھنے ہر شخص کے نزدیک سب سے زیادہ زیر بحث رہنے والے موضوعات میں سے ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت و آخرت، قرآن و احادیث بنیادی ماخذ شریعت، احکامات میں ارکان اسلام اور دینی شعائر وغیرہ ایک ہی ہیں، ان میں کوئی اختلاف قطعاً پوری امت میں کہیں نہیں۔ اسلام میں اس کی اہمیت کے حوالے سے بہت تاکید کی گئی ہے، جہاں امت کو ایک ہو رہنے کی تاکید کی گئی ہے وہاں اکثر و بیشتر تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کہ رسی کو سب مل کر تھامو! مراد یہ کہ ہر فرد جزو امت ہے وہ کسی صورت بھی امت سے جدا نہیں ہو سکتا۔ وحدت و باہمی رواداری کے ذیل میں اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ شریعت اسلام نے امت کو پانچ وقت مسجد میں جا کر اکھٹے نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے، پھر ہفتے میں ایک بار اس سے بڑے اجتماع نماز جمعہ کو فرض قرار دیا ہے اور پھر نماز عید کی شکل میں سالانہ اجتماع کا اہتمام کیا اور تاکید کی گئی ہے آبادی سے نکل کر کھلے میدان میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی اس میں شرکت کی ترغیب دی گئی ہے، اس پر بڑھ کر فرضیت حج کی ذریعہ کل روئے ارضی مشرق مغرب، جنوب شمال اور میں بسنے والے امت کے افراد کو ایک مرکز پر جمع ہونے، ایک ہی جیسے لباس میں جمع ہونے، ایک کی کلمہ ادا کرنے اور ایک ہی جیسے افعال ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ انفرادی عبادت کے مقابلہ میں اجتماعی عبادت کی جو اہمیت ہے اس میں میں من جملہ دوسری باتوں کے امت کے اتحاد کا نکتہ بھی شامل ہے۔

2.2.2.2 سیاسیات پاکستان اور دینی جماعتوں میں رواداری کیسے؟:

وحدت و رواداری کے ضمن میں چند نکات پاکستانی اسلامی سیاسی جماعتوں کے کردار کی درست سمت کے تعیّن میں معاون ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی تصنیف 'وحدت امت' میں چند اہم نکات بیان کیے ہیں، جس میں انہوں نے لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر تمام مسلمانوں کو اتفاق اور اتحاد کی دعوت دی ہے اور انہیں فرقہ بازی اور انتشار سے بچنے کی ترغیب دی ہے، لائق توجہ ہیں۔

- پہلا اور بنیادی نکتہ یہ کہ اسلام کی دعوتِ اتحاد اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ انسانوں کو ایک قوم ایک خاندان قرار دیتی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں اسی اساس یعنی وطن، رنگ، نسل اور زبان کی بنیاد پر جو قومیں قائم تھیں، ان کو توڑ کر رسول کریم ﷺ نے ایک بنیان مرصوص اور سیسہ پلائی ہوئی، ناقابل شکست دیوار امت مسلمہ کو بنایا تھا، جو ایک ربّ کی مخلوق اور رسول ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہوں۔
- دوسری اہم بات یہ کہ 100 سال سے زائد انگریزوں کے اقتدار میں عوام دین سے محروم اور اس کے حقائق سے ناآشنا ہو گی۔ اور افسوس! کہ اہل نظر علماء بھی فروعی واجتہادی مسائل میں الجھ کر اسلام کی سرحدوں پر ہونے والی یلغار کے مقابل نہ کھڑے ہوئے۔ بلکہ جزوی اور فروعی اختلافات میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو لگا دیا۔ مزید یہ بتایا گیا کہ اختلاف انسانی فطرت کا لازمہ ہے اور یہ کوئی بُری شے نہیں، اگر حدود میں ہو۔ صحابہ ء کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی مانند اس کی حدود میں رہے۔ ان میں اسلام کی بنیادوں میں کوئی اختلاف اور تعارض نہ تھا۔ جیسا کہ امام ابن عبد البر القرطبیؒ کی کتاب جامع بیان العلم کا فتوٰی جس میں سلف کے باہمی اختلافات کا حال الفاظِ ذیل میں بیان کیا گیا ہے:

'عن یحییٰ بن سعید قال ما برح اہل الفتویٰ یفتون فیحل ہذا ویحرّم ہذا فلا یریٰ المحرم المحل ہلک لتحلیلہ ولا یریٰ المحل ان المحرم ہلک لتحریمہ'

ترجمہ: یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے۔ ایک شخص غیر منصوص احکام میں ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا، اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حرام ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا۔

- جو لوگ علم واصول دین اور اسباب اختلاف سے ناواقف ہوں وہ ایک شبے کا شکار رہتے ہیں کہ شریعت اسلام میں ایک چیز غلط یا صحیح ہو گی تو دونوں جانب سے یکساں احترام کیسے ممکن ہے۔ ان کے لیے گذارش یہ ہے امت میں سلف و صالحین کے نزدیک دین کی بیّنات اور واضح نصوص کا انکار کرنے پر اتفاق امت ہے کہ ان بنیادی باتوں میں اختلاف گمراہی اور الحاد ہے، ان سے اعلان بیزاری اور رواداری ناممکن ہے۔ البتہ مخالف کی رائے کا احترام ایسے مسائل میں جو یا تو قرآن وسنت میں صراحت کے نہ ہو، اس کی تفسیر اور تاویل میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے۔ جو فطری ہے، اسلام کا جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی راہ اور محمود ہے۔

2.2.2.2.1 علماء کے لیے خصوصی لائحہ عمل:

مفتی صاحبؒ نے اس کے آخر میں علماء کے لیے لائحہ عمل تجویز کیا ہے۔

(۱) علماء کرام! اس بات کا عہد بھی کیجیے اور فیصلہ بھی کہ اس کام کے لیے اپنے موجودہ مشاغل میں سے سب سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

(۲) دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقۂ درس، تصنیف و تالیف اور فتویٰ تک محدود رکھیں گے۔ عوامی جلسوں، اخباروں، اشتہاروں، باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعے ان کو نہ اچھالیں گے۔ ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصولِ دعوت واصلاح کے تابع دلخراش عنوان اور طعن و تشنیع، استہزاء و تمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

(۳) تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لیے دل نشین عنوان اور مشفقانہ لب ولہجہ کے ساتھ کام شروع کردیں گے۔

(۴) چوتھے یہ کہ الحاد و بے دینی اور تحریفِ قرآن و سنت کے مقابلہ کے لیے پیغمبرانہ اصولِ دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں، مشفقانہ و ناصحانہ بیانوں اور دلنشین دلائل کے ذریعہ مجادلہ بالتی ہی احسن کے ساتھ اپنے زورِ بیان اور زورِ قلم کو وقف کردیں گے۔[126]

2.2.2.3 ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب اور مذہبی جماعتوں کے باہمی رواداری:

اسلام کا درد رکھنے اکثر و بیشتر علماء و خدام دین نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے وحدت امت و باہمی رواداری کاوشیں کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب بھی اس حوالے سے کوشاں رہے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا ایک کتابچہ 'مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی اور ان کی تاریخی و نظریاتی پس منظر کے حوالے سے عملی تجویز، جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کے ساتھ وفاق کے قیام کی پیش کش' ان کی عملی پیش رفت کا بیان ہے۔

2.2.2.3.1 تمام مکاتب فکر کے علماء سے ربط و تعلق:

ایک اہم بات یہ ہے کہ آپؒ پاکستان میں موجود قریباً تمام مکاتب فکر کے علماء سے ربط و تعلق میں رہے ہیں۔ اور مختلف مواقع پر مثلاً آپؒ قرآن کانفرنسوں کا انعقاد کراتے رہے، ان میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کو مہمان خصوصی اور صدارت دی جاتی رہی۔ ج پھر فروری 1985ء میں اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے 60 سے زائد اکابر علماء کو اپنے تصور دینی پر ایک مختصر تحریر ارسال کی گئی اور تقاضا کیا گیا کہ اگر اس تصور دین میں کوئی کجی محسوس کریں تو متنبہ کریں۔ پھر اسی مقصد کے لیے مارچ میں چھ روزہ

---

[126] مفتی محمد شفیع، وحدت امّت، طارق اکیڈیمی، 2004ء، آصف پرنٹرز لاہور، ص 55

سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں انھیں علماء کو دعوت دی گئی کہ وہ ڈاکٹر صاحب کے تصور دینی اور فرائض دینی پر اظہار خیال کریں۔ ان میں مولانا محمد مالک کاندھلوی، مفتی سیاح الدین کاکاخیل، مفتی محمد حسین نعیمی، حافظ عبد القادر روپڑی، سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا وحید الدین خان (انڈیا) سمیت 21 علماء کرام شامل ہوئے۔ اس سیمینار میں تشریف نہ لانے والوں میں اکثر نے تحریری طور پر اظہار خیال فرمایا، جن میں پاک وہند کے 50 سے زائد علماء شامل تھے۔

2.2.2.3.2 نفاذ اسلام کے ضمن دینی جماعتوں کے امراء کو دعوت:

پھر 1996ء میں تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر پاکستان میں نفاذ شریعت کے طریق کار پر تبادلہ خیال اور ایک دوسرے کے منہج کو سمجھنے کی غرض سے دینی جماعتوں کے امراء کو دعوت دی گئی جو پاکستان میں نظام اسلامی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان میں بریلوی مکتبہ فکر سے تحریک اسلامی انقلاب کے امیر مولانا مفتی سید جمال الدین کاظمی، سلاسل تصوف سے تعلق رکھنے والے اور تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان، تحریک فہم القرآن کے بانی میجر محمد امین منہاس اور اہلحدیث مکتبہ فکر کی ایک اہم شاخ کے قائد پروفیسر محمد سعید، منہاج القرآن کے بانی و قائد پروفیسر طاہر القادری، ملتان سے عطاء المحسن اور لاہور کے ڈاکٹر غلام مرتضی ملک نے اپنی اپنی تنظیم کے طریق کار کو بیان کیا۔ اس موقع کی ایک عجیب بات یہ کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سامع کے طور پر شریک رہے اور مہمان مقررین کو اظہار خیال کا موقع دیا۔ ان میں سے بعد ازاں مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کی تنظیم الاخوان مل کر ایک مشترکہ جدوجہد کے لیے ایک مذاکراتی ٹیم تشکیل دی گئی۔ جس نے غور و فکر کے بعد ایک لائحہ عمل تیار کیا۔ اس کی بنیادی نکات میں (۱) موجودہ ظالمانہ استحصالی نظام ہے اور اللہ سے بغاوت ہے کہ اس کو ختم کیا جائے اور خلافت کا قیام کے لیے جدوجہد کی جائے۔ (۲) انتخابی طریقہ کار سے نظام نہ بدلہ جاسکے گا بلکہ انقلابی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ اس کے ابتدائی قدم کے طور پر اپنی ممبران کو ایک دوسرے کے پروگراموں میں اجتماع میں شرکت کی تلقین، آپس میں تقریریں اور دوسری سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ترغیب، لٹریچر کا تبادلہ اور مشترک نکات جمع رہنے کی پابندی کے لیے کمیٹی تشکیل دی گئی لیکن بعد میں تنظیم اخوان نے اس پر کوئی زیادہ پیش رفت نہیں کی گئی اور بات چیت آگے نہ بڑھ سکی۔ بہر حال اس مساعی کے ردّ عمل میں کسی جماعت کی طرف سے کوئی مشترکہ پیش رفت کی دعوت ڈاکٹر صاحب کو نہ ہوئی۔

2.2.2.3.3 سیاسی انتظام کی تجویز:

25 اگست 1995ء کے خطاب جمعہ بمقام مسجد دار السلام لاہور میں ڈاکٹر صاحب نے تجاویز پیش کیں، جس سے پاکستان میں اسلامی جماعتوں میں رواداری کی فضا پیدا ہو سکے اور نظام اسلامی کی راہ ہموار ہو سکے۔ اولاً پاکستان کے سیاسی انتظام کے حوالے سے

مشورہ دیا گیا کہ صوبوں کی تعداد بڑھائی جائے، ایک کروڑ آبادی پر ایک صوبہ مشتمل ہو، زیادہ خود مختار ہو اور کل ۱۲ صوبے بنائے جائیں۔

2.2.2.3.4 دینی جماعتوں کی حکمت عملی اور ادغام مسالک کی تجاویز:

پاکستان میں نظام اسلامی کے قائم نہ ہونے کی اصل وجہ 'دینی جماعتوں کی غلط حکمت عملی' ہے۔ اپنی تجاویز کی تین نکات کا بیان کیا، (۱) سب جماعتیں محاذ آرائی سے گریز کریں، (۲) ہم خیال جماعتیں جو تاریخی اور نظریاتی اعتبار سے قریب ہوں، آپس میں تعاون کی فضا پیدا کریں، (۳) اگر متحد نہ ہو سکیں تو وفاق کی صورت مین جمع ہوں تاکہ مزید تقسیم نہ ہو۔ اس کہ عملی صورت یہ تجویز کی گئی کہ عوام کی اکثریت دیوبندی اور بریلوی ہیں۔ ان دونوں کی تین پہلو مشترک ہیں (۱) دونوں حنفی ہیں، (۲) دونوں تصوف کے قائل ہیں، (۳) دونوں کے عقائد اور امہات الکتب ایک ہیں۔ اس کے ذیل میں دیوبند کے اکابر میں حاجی امداد اللہ مہاجر مدنیؒ کی کتاب 'فیصلہ ہفت مسئلہ' کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ اس کی رو سے دیوبندی اور بریلوی میں زیادہ تفاوت نہیں رہتا۔ مسئلہ محض شخصیتوں کا ٹکراؤ ہے، ایک طرف مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دوسری طرف مولانا احمد رضا خان بریلویؒ ہیں۔ ان کے سیاسی ونگ جمعیت علمائے اسلام کے دو ٹکڑے ہیں فضل الرحمن گروپ سمیع الحق گروپ اور جمعیت علماء اسلام (حقیقی)، یہ تینوں ان سب کی دینی اور سیاسی بنیاد مولانا حسین احمد مدنیؒ کا موقف ہے۔ بریلوی مکتب فکر کی سیاسی جنرک (Generic Name) جمیعت علمائے پاکستان ہے، اس کی تقسیم نورانی گروپ اور عبدالستار نیازی گروپ اور جمعیت کے مشائخ یہ بھی ہے۔ یہ تین جماعتیں ایک ہی بنیاد پر ہیں۔ اس حوالے ڈاکٹر صاحب نے تجویز کیا کے پہلے یہ ہم مسلک آپس میں جڑیں اور بعد میں مسالک کا کوئی ادغام ہو۔

2.2.2.3.5 تبلیغی جماعت اور دعوت اسلامی کے باہمی اشتراک کی عملی صورت:

تبلیغی جماعت اور دعوت اسلامی کے حوالے سے یہ معروضات پیش کیں گئیں کہ دونوں میں کچھ چیزیں بالکل مشترک ہیں۔ دونوں صوفی مزاج ہین اور حنفی ہیں۔ ان کی کوشش بھی مشترک ہے۔ اس حوالے سے ان کا ادغام ممکن ہے۔ مزید یہ کہ دارالعلوم بریلوی و دیوبندی کا مشترک وفاق المدارس قائم کیا جانا بھی عین ممکن ہے۔ اس لیے کہ دونوں مدارس میں پڑھائی جانے والی امہات کتب ایک ہی ہیں۔ یہ سب 'فیصلہ ہفت مسئلہ' کے تحت جمع ہو سکتے ہیں۔ منہاج القرآن اور تنظیم الاخوان، ایک کے امیر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اور دوسری جماعت کے امیر مولانا اکرم اعوان صاحب ہیں۔ ان دونوں میں فرقہ واریت نہیں، ان میں ہی جدید تعلیم یافتہ لوگ شامل ہیں اور تیسرے یہ کہ روحانیت کے قائل ہیں، ان میں یہ مشترک قدر ہے۔

2.2.2.3.6 جماعت اسلامی، تحریک اسلامی اور تنظیم اسلامی مشترک وفاق کے قیام کی پیش کش:

اس کے بعد جماعت اسلامی کے حوالے سے کچھ تفصیلی بیان کیا گیا ہے۔ یہ کہ مولانا مودودیؒ بنیادی طور پر علامہ اقبالؒ اور مولانا ابوالکلامؒ کی دعوت کا تسلسل تھے۔ لیکن ابوالکلامؒ کی اس فکر متحدہ قومیت کی مخالف تھے اس طرح جمیعت علمائے ہند شدید ناقد تھے۔ جماعت اسلامی 1941ء میں قائم کی گئی تو اس کی بنیاد فرقہ واریت سے بالاتر تھی۔ اس تحریک کا بنیادی فکر دین اسلام کی ہمہ گیریت اور اس کی تفہیم، دعوت دین اور اقامت دین کی جدوجہد تھی اور اس میں شامل ہونے والوں اکثریت سکولوں کالجوں کے پڑھے لکھے نوجوان تھے۔ البتہ اس میں بہت سارے اس میں اس وقت بڑی بڑی علمی شخصیات بھی شامل ہوئیں، جو رفتہ رفتہ الگ ہو گئیں۔ مولانا مودودیؒ کا کتابچہ 'اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے؟ تحریر کیا۔ جس کے دو بنیادی نکات میں پہلا خود عملی مسلمان بنو اور دوسرا یہ کہ کسی صالح جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ اور اس پر مضمون 'ایک صالح جماعت کی ضرورت' لکھا جس پر جماعت اسلامی قائم کی گئی۔ مزید جماعت اسلامی کے تین خروج (Exodus) کا تذکرہ کیا گیا جس میں پہلا 1943ء میں حلقہ دیوبند کے علماء مولانا منظور احمد نعمانیؒ، ابوالحسن علی ندویؒ شامل تھے اکثر تبلیغی جماعت کا حصہ بنے۔ پھر دوسرا خروج 1956ء میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور متعدد ارکان شوریٰ اور ڈاکٹر صاحب خود بھی شامل تھے، الگ ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے تنظیم اسلامی قائم کی اور پھر 1994ء میں نعیم صدیقیؒ صاحب جنھوں نے تحریک اسلامی قائم کی۔ اس کے بعد جماعت اسلامی، تحریک اسلامی اور تنظیم اسلامی کی قدر مشترک اور مآب اختلاف بیان کیا گیا۔ (۱) تینوں کے نزدیک کا دین کا ہمہ گیر تصور یعنی دین مکمل نظام زندگی ہے اور اپنا غلبہ اور تسلط چاہتا ہے اور جزوی اطاعت نہیں بلکہ مکمل اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ (۲) دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کرنا ہر بندہ مومن پر فرض ہے۔ (۳) مولانا مودودیؒ کی تحریر 'اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے؟' جس کے سیاسی طریقہ کار پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ جن باتوں پر اختلاف ہے وہ اقامت دین کے غلبے کے لیے آخری قدم کیا ہوگا، اس کے مابین نزاع ہے جماعت اسلامی الیکشن کے ذریعے جب کہ تنظیم اسلامی اس کے مقابلے میں اس کے خلاف سخت ترین موقف رکھتی ہے۔ جبکہ تحریک اسلامی بھی الیکشن سے کچھ خائف ہے۔ اس ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کو 3 پیشکشیں کیں۔ (۱) اگر جماعت اسلامی انتخابات سے تائب ہو جائے تو ڈاکٹر صاحب خود اپنی پوری تنظیم کے ساتھ جماعت اسلامی مدغم ہو جائیں گے۔ (۲) اگر جماعت اسلامی 25 برس یا 20 برس کے لیے الیکشن سے مجتنب ہو جائے تب بھی اپنی جماعت کے اس میں مدغم کر دینگے۔ (۳) جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی تینوں ایک وفاق کی شکل اختیار کر لیں اور مل کر اپنے تمام تر معاشی وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لا کر بڑے پیمانے پر عوام کے اندر بھرپور ذہنی و فکری اور اخلاقی و عملی تربیت میں سرگرم ہو جائیں۔ اور مولانا مودودیؒ کا انتخابات کے حوالے سے 1945ء والا موقف قبول کر لیا جائے جس میں انہوں نے درج کیا ہے کہ

'اوّلاً' ملک میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہوں کہ محض رائے عام کا کسی نظام کے لیے ہموار ہو جانا ہی عملاً اس نظام کے قائم ہونے کے لیے کافی ہو سکتا ہو۔

ثانیاً' ہم اپنی دعوت و تبلیغ سے باشندگانِ ملک کی بہت بڑی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہوں اور غیر اسلامی نظام کے بجائے اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے ملک میں عام تقاضا پیدا ہو چکا ہو۔

ثالثاً' انتخابات غیر اسلامی دستور کے تحت نہ ہوں بلکہ بنائے انتخاب ہی یہ مسئلہ ہو کہ ملک کا آئندہ نظام کس دستور پر قائم کیا جائے۔'[127]

پھر بیان کیا گیا کہ اگر جماعت اسلامی اب بھی اس پر نہیں آتی تو معاملات جس طرح چل رہے ہیں اسی طرح چلیں گے بلکہ اس سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔[128]

علاوہ ازیں 1982ء میں جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمدؒ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے ٹیلی ویژن پر الھدیٰ پروگرام پر پابندی کے خلاف حکومت سے اسے جاری رکھنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ مسلمانانِ پاکستان کو اسلام اور قرآن کی اساس پر متحد ہونا چاہیے۔ اس پر ڈاکٹر صاحبؒ نے اس پیشکش کو آگے بڑھانے کی بات کی جس پر امیر جماعت اسلامی کی طرف سے مثبت جواب نہ دیا گیا۔

2.2.2.4 ڈاکٹر اسرارؒ کی مذہبی جماعتوں کے کردار پر آراء:

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کا ایک کالم جو روزنامہ نوائے وقت میں 'تفکر و تذکر' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں ڈاکٹرؒ صاحب نے 'قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار' پر اظہار خیال کیا۔ یعنی ایسی اسلامی سیاسی جماعتیں جو انتخابات میں براہ راست حصہ لیتیں ہیں۔

---

[127] ڈاکٹر اسرار احمد، مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی، ناظم مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2003ء، ص55

[128] ایضاً، ص56-1

2.2.2.4.1 پاکستان کی سیاست کے اصل مختار، بیوروکریسی:

نظام سیاست پاکستان میں محض قبائلی سرداروں کا، وڈیروں، جاگیرداروں، نوابوں اور قبائلی سرداروں کے ذاتی مفادات کا کھیل بن کر رہ گئی تھی اور اسی کو جواز بنا کر 1958ء میں پاکستان کی بری فوج کے کمانڈر انچیف نے حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی. تب سے اب تک پاکستان کے دو مستقل اقتدار کے ستون سول اور فوجی بیوروکریسی ہیں. بقیہ سیاستدان انھیں کے رحم و کرم پر اس اقتدار میں ان کے ساتھ شامل ہوتے رہتے ہیں۔ اس تجزیہ پہلی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ عملی سیاست میں ان قومی سیاسی جماعتوں کی حثیت بھی ثانوی درجے کی ہے. پھر تیسرے نمبر پر لسانی اور علاقائی تنظیموں کا اور اس کے بعد چوتھے نمبر پر مذہبی جماعتیں آتیں ہیں۔ یہ کالم 1994ء میں لکھا گیا اس وقت تک پاکستان کو 46 برس ہوئے تھے، بتایا گیا اس عرصہ میں ایک دینی جماعت کے امیر ایک چھوٹے صوبے کے نہایت مختصر عرصہ کے لئے وزیر اعلی رہے اور وہ بھی ان دین بیزار افراد کے سہارے جو علمائے دین کے لئے اعلانیہ بغاوت کا اظہار کرتے رہے۔ اور ایک اور اسلامی جماعت کو پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ایک مناسب وقت کے لئے اقتدار تو حاصل ہوا، لیکن یہ بلدیاتی کامیابی تھی، اس کا قانون سازی سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا۔ البتہ ان کے تجزیہ میں یہ جماعتیں احتجاجی تحریکیں برپا کرنے میں موثر رہیں ہیں۔ جیسے صدر ایوب خان، بھٹو صاحب اور بے نظیر بھٹو صاحبہ کی حکومت کے خاتمے کے لئے مذہبی جماعتوں کا کردار اہم ہے. لیکن یہ بھی حقیقت کا اظہار اس سے باخوبی ہو جاتا ہے کہ حکومتیں ان تحریکات کے نتیجے میں گریں، اس کی اہم وجوہات میں بااثر افراد کے ذاتی و جماعتی مقاصد تھے بنے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو ان تحریکوں سے کوئی واقعی نہ پہنچ سکا اور نہ ہی ان دینی جماعتوں کوئی نفع حاصل ہوا۔ اس کا فائدہ اٹھایا تو جنرل ضیاء الحق صاحب نے اٹھایا۔

2.2.2.4.2 قوم کی مذہب سے ظاہری عقیدت اور اس کا دائمی حل:

ڈاکٹر صاحب پاکستانی قومی سیاست تجزیہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ پاکستان قومی تحریک کے نتیجے میں قیام عمل میں آیا۔ اس کی اکثریت مذہب سے جب جذباتی وابستگی تو رکھتی ہے لیکن سیرت و کردار اعمال و اخلاق میں اسلام سے وابستہ نہیں۔ تحریکات کو چلانے والی چیز جذبات ہوتے ہیں، لیکن سیاسی جماعتیں اس کے بالکل متضاد ٹھیٹھ حقائق اور ٹھوس واقعات کی عکاس ہوتیں ہیں۔ عوام عقیدے کی حد تک تو اللہ، رسول ﷺ، قرآن کو مانتی ہے۔ لیکن مقتدر اور تعلیم یافتہ طبقات میں سے اکثریت الحاد و مادہ پرستی تصورات کے قائل ہیں۔ ان کے تصور میں مغرب کے تصورات یعنی قومیت کی بنیاد پر ریاست (Nation State) اور اُن کا اقتصادی اور سماجی نظام اختیار کر لیا جائے۔ اس کے برعکس دوسری طرف مذہبی جماعتیں قانون شریعت کی تنفیذ کے لیے زور لگا رہی ہیں۔ نتیجتا پاکستان کی سیاست تعطل (Stalemate) کا شکار ہوئی اور نہ اسلامی قوانین کا نفاذ ہو سکا اور نہ ہی

سیکولرازم پوری طرح ملک میں غالب آ سکا۔ اندیشہ ہے کہ اس رسہ کشی میں کہیں ملک ٹوٹ نہ جائے۔ البتہ عملی سطح پر جاگیرداری، سود اور بے حیائی کا نظام قائم ہے۔ آخر میں تمام مذہبی جماعتوں کو طریقہ کار پر نظرثانی کی دعوت دی اور کہا کہ میں نے منہج نبوی ﷺ کو اپنایا ہے، انسانی تاریخ کے قرن اولین میں اسلامی تبدیلی جیسے برپا ہوئی تھی، اسے اختیار کیا جائے۔[129]

خلاصہ مبحث:

- اسلام میں رواداری کی پہلی بنیاد انسانیت ہے یعنی تمام ایک ربّ کی مخلوق ہیں۔ تعلیمات اسلامی میں وحدت بین المسلمین کی بہت تاکید ہے، اس حوالے سے آخری رسول ﷺ کی امت دوسری اہم بنیاد ہے۔
- تفرقہ ایک اہم وجہ فروعی واجتہادی مسائل کو اصل موضوع بنالیا گیا اور باطل کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اس لیے اس اختلاف کو انھیں حلقوں میں ہونا چاہیے جس سے متعلق ہیں نہ کہ عوامی جلسوں میں اس کا بیان ہو۔
- ڈاکٹر صاحب نے پاکستان میں اتحاد کی کوششوں میں مسالک یعنی مدارس، تحریکات اسلام، دعوتی جماعتیں اور از خود تمام مکاتیب فکر کے علماء سے ربط و تعلق میں رہے۔
- ڈاکٹر صاحب کے مطابق انتخابات کے ذریعے مذہبی جماعتوں نے عملی میدان میں اسلام کی طرف کوئی پیش رفت کی۔ البتہ ان جماعتوں کی احتجاجی سیاست بہت کامیاب رہی ہے۔
- ڈاکٹر صاحب کے نزدیک مؤثر طریقہ کار منہج نبوی ﷺ ہی ہے۔ جو انھوں نے بیان کیا۔
- زمینی حقائق یہ کہ دینی جماعتوں اور تحریکوں میں رواداری کی کوئی عملی صورت نظر نہیں آتی، البتہ اس مسئلہ کی فکر مندی کا اظہار دینی طبقات میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ہماری نظر میں یہ کام باقاعدہ کل وقتی جدوجہد کا ہے، اس کے سب موثر تو حکومتی ادارے ہیں اگر مخلصانہ کوشش کرے تو معاملات حل ہو سکتے ہیں۔ البتہ انفرادی جہد بھی ایک خیر ہے اس کے لیے جو کمیٹیاں یا کونسلز قائم ہیں کو مؤثر کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً ملی یکجہتی کونسل وغیرہ۔ بہر حال اس ساری رواداری کی منزل اسلام کے سیاسی نظام کا احیاء ہونا چاہیے۔ کیوں کہ یہ مسلم معاشرے کی کل خیر کا ذمہ دار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[129] ڈاکٹر اسرار احمد، بصائر، مکتبہ انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، ص 130-125

2.2.3 مبحث ۳: پاکستان کا نظام سیاست اور مستقبل کے تعمیری امکانات:

2.2.3.1 پاکستان کا نظام سیاست اصلاح کا متقاضی:

گزشتہ دو مباحث میں پاکستان کی نظریاتی اساس واستحکام اور مذہبی جماعتوں کے مابین رواداری کا مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔ پاکستان کی صورت حال کا حقیقت پسندانہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس بات میں کوئی شک نہیں پاکستان کے سیاسی نظام میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ جہاں تک یہاں کے پڑھے لکھے عوام کا تعلق ہے وہ ملکی اصلاح کے لیے مخلص ہیں، لیکن ریاستی نظام میں بد انتظامی اور مقتدرہ کی غفلت کی وجہ میں بالعموم بد دلی اور بے چینی کا شکار ہیں۔ اس کے اسباب میں لیڈروں پر عدم اعتماد بھی ہو سکتا اور ان کی خود غرضی اور منافقت عملی بھی ہو سکتی ہے۔ پاکستانی حکمران مسلمان ہیں لیکن عملی اعتبار سے اس طرف کوئی سنجیدگی نظر نہیں آتی، الاّ ماشاءاللہ۔ عوام میں دین سے محبت وعقیدت کا جذبہ بھی ہے، لیکن عملاً بالکل اس کے متضاد ہیں۔ دراصل اس طرح کی صورت حال انتشار اور قومی مزاج میں جذباتیت پر منتج ہوتی ہے، اس کے مصلح بھی اسی مزاج کے حامل ہیں۔ گویا پاکستان کے خاص وعام نظریاتی وسیاسی سطح پر متزلزل (Confused) ہیں۔ اس طرح کے لوگوں میں ایک طرف شعور اور نظریاتی بیداری کا کام کرنے کی ضرورت ہے جو پختہ بنیادوں پر ایک مناسب داعی پیدا کر سکے اور دوسری اس ذہنی بے چینی کو یکسر نظام کو بدلنے کے لیے اسلام کے نام پر استعمال بھی کیا جاتا رہا ہے اور آئندہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر کوئی صالح قیادت کسی ذریعہ ریاست کا نظم سنبھال لے اور فوری اقدامات عین اسلامی فلاحی ریاست کے اصولوں پر عملدرآمد کرے تو مسلمانان پاکستان کسی Soft Revolution کے لیے معاون ہونگے۔ باصورت دیگر عوام اسلام کے نام پر پہلے بھی قربانیاں دیتے رہے ہیں، لیکن عملاً اس کے خاطر خواہ نتائج نہیں حاصل ہو سکے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب 'مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش' میں اس حوالے سے تحریر کیا گیا ہے کہ

'اسلامی مشرق میں قیام امن کے لیے اور مسلمان اقوام کو اپنے عقیدے اور اسلامی زندگی پر قائم رکھنے کے لیے آج کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، زیادہ ٹھوس علمی تعبیر میں عالم اسلام کو دراصل ایک ایسی ترقی پذیر عادلانہ اسلامی سوسائٹی کی تشکیل کی ضرورت ہے، جس میں اسلامی طریقہ زندگی کو اپنے عملی اور ثقافتی اظہار اور نمود کا پورا موقع مل سکے،[130]

---

[130] سید ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص52

2.2.3.2 پاکستان کے موجودہ حالات میں تنفیذ اسلام کی عملی راہیں:

پاکستان کے موجودہ حالات میں چار طریقوں یا اعتبارات سے اسلام کی تنفیذ ممکن ہو سکتی ہے۔

- ان میں سب سے پہلی صورت جس سے بلا اشتعال نفاذ شریعت ممکن ہے۔ اگر اصحاب اقتدار میں سے کوئی ایسا صاحب کردار شخص یا کوئی ایسی منظم ٹیم، جو عدالت، پارلیمنٹ، سول اور ملٹری بیوروکریسی پر مکمل اختیارات رکھتی ہو اور اس کے پاس افراد بھی ہو جو باصلاحیت بھی ہوں اور قابل اعتماد بھی، پھر یہ جماعت تدریج کے ساتھ اسلامی قوانین کا نفاذ، آئین پاکستان اور قرارداد مقاصد کی روجاری کر دے۔ اس حوالے سے اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورت بس اسی طور پر ممکن ہے کہ خود اللہ پاک اپنے خصوصی اختیارات سے کسی کو اس کی توفیق عطا فرما دے یعنی کوئی معجزہ ہو جائے۔ باصوررت دیگر اس بات کا کوئی امکان عملاً پاکستان میں ممکن نہیں۔ واللہ اعلم
- دوسرا طریقہ جس پر اکثر و بیشتر اسلامی جماعتیں کام کر رہیں ہیں اور وہ انتخابات کا راستہ ہے، کہ اکثریت کی حمایت حاصل کی جائے۔ اس کے ذریعے پارلیمان اور سینٹ، ملکی ادارے اور اختیارات کو قابض طاقتوں سے آزاد کرا کر پاکستان کے آئین کے تحت عمل درآمد کیا جائے۔
- تیسرا طریقہ جس معدود چند لوگ قائل ہیں کہ بزور سلاح گویا مسلح بغاوت ذریعے نفاذ اسلام ممکن ہے۔ اس طریقہ کار کے حوالے سے یہ کے ایسے کسی اقدام کا پاکستان کے اندر کوئی واقعی گنجائش نہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہر کلمہ گو مسلمان کو کلمہ کا تحفظ حاصل ہے، اس طریقہ کار کا اصول خوارج سے میل رکھتا ہے۔ اور یہ کے اس اقدام کی جن علماء نے گنجائش دی ہے ان کی شرائط میں حکمرانوں کے کفر بواح اور فساد کا خطرہ نہ ہونے کی لازمی شروط ہیں، موجودہ حالات کے پیش نظر نہ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے اور نہ زمینی حقائق کے اعتبار سے پاکستان پر اس کا کوئی امکان ہے۔
- چوتھی ممکنہ صورت جس کو ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور ان کے علاوہ اور بھی بااثر حلقوں میں بیان کیا گیا ہے وہ (علمائے دیوبند اپریل ۲۰۱۰ء میں جامعۃ الرشید میں اجتماع میں قرارداد) احتجاج اور عوامی کا راستہ ہے۔

مندرجہ بالا طریقوں میں سے یہاں ممکنہ دو طریقوں کو زیر بحث لایا جائے گا، جو حدود اور آئین پاکستان کے اندر ہیں۔ انتخابی سیاست یا احتجاجی تحریک کے حوالے سے امور پر غور و فکر سے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ کون سا طریق زیادہ مؤثر ہے۔ ان کے علاوہ نفاذ بسلاح پر کام ہو چکا ہے اس مزید بحث کی کوئی ضرورت نہیں۔

2.2.3.2.1 انتخابی طریقہ کار:

انتخابات کی شرعی حیثیت، انتخابات میں حصہ لینا جائز ہے یا نہیں، اسمیں علماء اسلام کا اختلاف ہے۔ اسلام میں سیاسی نظریات اصولی اعتبار سے بالکل واضح ہیں، البتہ حکومت چلانے کا طریقہ کیا ہو؟ وہ طریق پارلیمانی ہو یا صدارتی؟ اس کے لیے اسلام میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ لیکن اس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کے متصادم کچھ بھی نہ ہو۔ مغربی سیاسی نظام کی اصل جڑ اور خرابی 'عوامی حاکمیت یا بالفاظ دیگر غیر اللہ کی حاکمیت' ہے، اس نظریہ سیاسی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، حرام مطلق ہے۔ البتہ جن اصولوں کے تحت جو علماء انتخابات میں حصہ لینا جائز قرار دیتے ہیں، وہ اس کی چند شرائط بھی متعین کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن وسنت کی بالادستی ہو پہلے سے طے ہو، افراد از خود اپنے آپ کو نمائندے کے طور پر پیش نہ کریں وغیرہ۔ ان دونوں اعتبارات سے چند تفصیل ذیل میں درج ہے۔

2.2.3.2.1.1 انتخابات میں حصہ لینے کے دلائل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"[131]

"اور وہ اپنے کام آپس میں باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں"۔ یہ ایک دلیل ہے۔ جس بنیاد پر جمہوریت کو جائز کہا جاتا ہے کہ اس میں مشاورت کا تصور موجود ہے جو انتخابات کی شکل میں اختیار کیا جاتا ہے۔

اسلامی نظریات میں مصالح مرسلہ جس کے تحت "مصلحت" بہت اہم ہے۔ اگر کسی مسئلے میں مصلحت پائی جائے تو اس کو اپنایا جانا چاہیے۔ اسلام میں انتخابات میں حصہ لینے کو بھی اسی مصلحت کے طور پر دیکھا گیا ہے، کہ اگر ایک شخص یا جماعت انتخاب سے کامیابی حاصل کر سکے تو یہ معاشرے کے لئے اچھا کام ہو گا۔ اس نظام کے خوبیوں میں یہ کہ اس میں حصہ لینے والی جماعتیں نظریات اور منشور کو واشگاف انداز میں بیان کرتی ہیں اور اس سے عوام میں بیداری اور دعوت پھیلتی ہے، عوام کے لیے سوچ وفکر اور اسلام بطور نظام پیش کرنے کے مواقع دستیاب ہوتے ہیں۔ انتخابات میں حصہ لینے سے، ان اسلامی سیاسی جماعتوں کو عوام میں وسیع پیمانے پر دعوت دینے اور رائے عامہ ہموار کرنے کا موقع بھی ہوتا ہے۔ اگر الیکشن جیت جائیں تو شریعت کو لاگو کرنے اور معاشرے میں مطلوبہ تبدیلیاں لانے کا موقع حاصل ہو سکتا ہے۔ الیکشن ایک پُرامن طریقہ کار اصلاح نظام سیاسی ہے، اگر اداروں میں اسے آئین کی پاسداری قائم ہو۔

---

[131] الشوریٰ: 38

انتخابی سیاست کی عملی جدوجہد میں سب سے پہلے قدم رکھنے والی اولین جماعتوں میں جماعت اسلامی ہے۔ اس کے بانی مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کی مکمل فکر کا احاطہ اپنی ایک تقریر میں کیا جو فروری 1957ء میں ارکان جماعت اسلامی کے منعقدہ اجتماع جو کہ بہاولپور ڈویژن کی ایک بستی ماچھی گوٹھ میں ہوا۔ یہ چھ گھنٹے پر مشتمل طویل خطاب تھا جو بنیادی طور پر اس وقت کی جماعت اسلامی کی صف دوم جماعت اسلامی قیادت میں انتخابی سیاست کے خلاف ایک ردّ عمل کے جواب میں بانی جماعت اسلامی نے کی۔ اب یہ ایک مستقل کتابچہ 'تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل' کی صورت میں دستیاب ہے۔

معترضین کا بنیادی نکتہ اختلاف یہ تھا کہ انتخابی یا عملی سیاست میں جماعت اسلامی کی شمولیت قبل از وقت ہے، جس سے ارکان جماعت اسلامی میں بے چینی اور روحانی اعتبار سے توازن بگڑ گیا ہے، جماعت اسلامی کو چاہیے کہ انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر پہلے اپنے ارکان کی تربیت پر زور دیں اور جب تک پختہ نہ ہو جائیں انتخابی سیاست سے دور رہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اس کے جواب میں 1951ء کے اجتماع عام میں کی جانے تقریر جواب بنام 'مسلمانوں کا ماضی و حال اور مستقبل کا لائحہ عمل' پمفلٹ دستیاب ہے، کو بنیاد بنا کر اسی لائحہ عمل کو جاری رکھنے پر زور دیا اور وضاحت کی، اس میں بیان کیا گیا کہ یہ متوازن ترین طریقہ کار ہے جس پر جماعت اسلامی کو رہنا چاہیے۔ البتہ یہ کوئی قرارداد اس وقت تک نہ تھی جو منظور کی گئی ہو۔ اس کتابچہ کے صفحہ نمبر 47 پر یہ بات درج ہے:

"1951ء کے اجتماع میں اس کو کسی قرارداد کی شکل میں پیش نہیں کیا گیا تھا، بلکہ امیر جماعت اسلامی نے اسے اپنی اس تقریر میں بیان کیا گیا تھا جو 'مسلمانوں کے ماضی و حال مستقبل کا لائحہ عمل' ایک مستقل پمفلٹ جب میں شائع ہوئی ہے۔"[132]

اس لائحہ عمل کے چار نکات (۱) تطہیر فکر اور تعمیر افکار، (۲) صالح افراد کی تلاش، تنظیم اور تربیت، (۳) اجتماعی اصلاح کی سعی اور (۴) نظام حکومت کی اصلاح تھے۔ اعتراض آخری نکتے پر کیا گیا جس کو بیان گزر چکا۔ اس کی تفصیل میں مولاناؒ نے کہا کہ اس بات کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا کہ توازن قائم نہیں رہا۔ عدم توازن کوئی مادی شے نہیں کہ اس کو ماپا جا سکے کہ کب پورا ہو گا؟ اور اس کے حوالے سے بھی کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔ جس کام کو بعد میں شروع کرنا چاہیے ہمیں ابھی اس کام کو شروع کر نا دینا چاہیے، اس لیے کہ جہاں بیس سال بعد کام کا آغاز ہو گا بیس سال پہلے شروع کیا گیا زیادہ تجربہ اور مفید ہو گا۔ دوسری بات توازن میں کمی کا جواب دیا گیا کہ ایک کام کو چھوڑ کر محض محدود کاموں کو اپنا متمع نظر بنا لینا کوئی حل نہیں بلکہ درست بات یہ ہے کہ جس جگہ یا جس جہت میں کمی ہے اس جہت زیادہ زور لگایا جائے نہ ایک کام کو سرے سے کیا ہی نہ جائے۔

---

[132] مولانا سید مودودی، تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 2007ء، ص 47

انتخابات میں حصہ لینے کی اہمیت اور ضرورت کے حوالے سے مزید یہ کہا گیا کہ قیادت کی تبدیلی ناگزیر ہے اور اس کی تبدیلی کا واحد آئینی راستہ ہے انتخابات کے ذریعے تبدیلی ہے، آئین کی خلاف ورزی شرعاً بھی جائز نہیں۔ ہر موقع سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے کیونکہ یہ تدریج کا حصہ ہے۔

معترضین کے چند ضمنی اعتراضات کے بارے میں بانی جماعت اسلامی کہ آراء کا مختصر بیان یہ ہے کہ ایک بات یہ کی گئی کہ پہلے معاشرے میں صالح نظام کی پیاس پیدا کرنی چاہیے، اس پر کہا ہمیں سال کے 365 دن کام کرنا ہے اور اس کام کو چھوڑ کر انتخابات میں حصہ نہیں لے رہے۔ دوسرے اعتراض یہ اس نظام میں تعصبات جیسے برادری، لالچ، مفادات کی لالچ دے کر ووٹ خریدے جاتے ہیں، اس میں ہماری گنجائش نہیں۔ جواباً کہا گیا کہ کیا معاشرے میں ان عناصر کو جو تخریب پیدا کر رہے ہیں کھلا چھوڑ دیا جائے؟ نہیں بلکہ اس کے لئے ووٹروں کے اندر اصلاح کا کام ضروری ہے، جو جماعت اسلامی کے پیش رہتا ہے جس سے اسلامی نظام کے لئے طلب پیدا ہو گی۔ انتخابات کے ذریعے جماعت کو اپنی قبولیت عامہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ انتخابات میں حصہ لینے سے لوگوں کو ووٹ دینے کے لئے صالح افراد کی فراہمی ہے باصورت دیگر عوام اس حق کو غلط جگہ پر استعمال کریں گے اور اس طرح غیر اسلامی عناصر کو چھا جانے کا پورا موقع مل جائے گا، ان کو چیلنج کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ اخلاقی زوال پیدا ہوا ہے، جواب میں نے کہا کہ جس میدان میں آپ اصلاح کے کام کریں گے وہاں میدان میں اتر کر مخالفین کے ساتھ مقابلہ کرنا ہو گا اور تربیت کا یہی اصول درست ہے، اور یہ کے اخلاق کے بہترین معیار کو کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ ایک اور اعتراض کے جماعت کو بہت کم لوگ ووٹ دیں گے اور اس سے حوصلہ شکنی ہوتی ہے، اس بابت اس کو تسلیم کیا گیا لیکن بیان کیا گیا کہ یہ مسئلہ کا حل نہیں کہ انتخابات میں حصہ نہ لیا جائے بلکہ مسلسل اس کام کو کرتے رہنے سے کامیابی کی طرف بڑھا جائے اور یہ چند نشستیں بھی بہت اہم ہیں سیاسی کھیل میں اکثر حکومت بنانے کے لیے چند نشتو والا اپنا موقف منوالیتا ہے اور دوسرے یہ کہ ایوان کے اندر کلمہ حق کہنے والے کم لوگ بھی بہت بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں، جس سے قانون سازی میں کردار ادا کیا جاتا ہے۔[133]

2.2.3.2.1.2 انتخابی سیاست کے خلاف دلائل:

علی گڑھ یونیورسٹی، انڈیا میں سیاست کی مختلف جہتوں پر اسلام کا کردار کے حوالے سے سیمینار منعقد کیا گیا، جس میں 50 کے لگ بگ مقلات جمع کیے گئے ہیں۔ اس میں ایک مقالا پروفیسر وسیم احمد صاحب نے 'عصر حاضر میں جمہوریت اور قرآنی تعلیمات' کے

[133] مولانا سید مودودی، تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 2007ء، ص 164 – 145

موضوع پر لکھا، جس وہ رائج جمہوری اقدار کی شدت کے ساتھ نفی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اصل خرابی کی جڑ غیر اللہ کی حاکمیت ہی ہے اور اکثریت کی رائے کی پیروی کرنے میں کوئی خیر نہیں بلکہ فساد کا باعث ہے۔[134]

وہ علماء جو انتخابی سیاست کے حق میں نہیں ہیں، 'انتخابات سے دور رہیں اپنا ایمان بچائیں' ایک مختصر رسالہ جس کے مؤلف نور الدین محمود ہیں نے ردّ جمہوریت میں بہت مختصر اور جامع انداز اسلام اور جمہوری نظام جو بذریعہ انتخابات قائم ہوتا ہے کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ایک جدول کے ذریعے اسلام کے سیاسی قوانین اور جمہوریت کے اصولوں کا موزانہ کیا گیا ہے۔ مثلاً پہلی بمقابل بات یہ کہ قانون ساز اسلام کے نقطہ نظر سے اللہ ہے جبکہ جمہوریت میں پارلیمان ہے، یہاں تک کہ قرآن بھی پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر قانون قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مسلمان و کافر، جاہل و عالم، نیک و بد، مرد و عورت اسکام کی نظر میں گواہی، شہادت اوور مشورہ کے اعتبار سے برابر نہیں، جب کے یہاں اسب ایک ووٹ کی حثیت سے برابر ہیں۔ اسلام میں معیار فہم و بصیرت ہے اگرچہ کوئی کم عمر ہو تب بھی مشورہ لیا جاسکتا لیکن موجودہ نظام میں کم عمر کی بھی پابندی ہے اور شناختی کارڈ کی بنیادی شرط اور معیار مشاورت قرار پاتی ہے۔ اسلام میں گروہ بندی کی نفی کرتا ہے جبکہ اس نظام کیں اس کی کھلی چھٹی ہر ایک کو حاصل ہے، اس میں عورت بھی سربراہ مملکت بن سکتی ہے۔ اسی طرح مسلمان، کافر، فاسق و فاجر میں کوئی فرق نہیں بلکہ اگر ایک ووٹ زائد ہو جائے تو غیر مذہب بہتر قرار پاتا ہے. جمہوریت میں فیصلہ اکثریت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے اور اسلام قرآن و حدیث اصل ہے۔ اسلام مے نظام سیاست میں کوئی حزب اختلاف نہیں، بلکہ معاملات باہمی رضامندی صائب رائے ایک امیر کے تحت طے پاتے ہیں جبکہ اہل جمہور میں حزب اختلاف لازمی ہیں۔ اخلاقیات میں خود نمائی و ریاء، فضول خرچی، غیبت اور قوم پرستی جیسے اس نظام کی اساس امورِ دعوت ہیں، جو اسلام کی روح کے قطعی خلاف ہے.

اس کے بعد چند علماء کی رائے کا بیان کیا گیا جس میں مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ بنوری ٹاؤن کراچی، مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ مفتی اعظم پاکستان، اقوال مع حوالہ جات نقل کیے گئے ہیں جن میں اسلام اور جمہوریت آپس ضد ہیں قرار دیئے گئے ہیں۔ خاتمہ میں کلام علامہ اقبالؒ بھی درج کیا گیا ہے.

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

---

[134] پروفیسر وسیم احمد، تہذیب و سیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، جمال پور، علی گڑھ، 2015ء، ص294

اور

تو کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟ چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

اس میں چند مزید وضاحتیں جیسے ووٹ کو شہادت، مشورہ اور سفارش قرار دینے تعلق سے بیان کیا گیا کہ شہادت، سفارش اور مشورہ کا اہل ہر ایک نہیں ہوتا اور ان میں شہادت مقبول بھی ہوتی ہے اور مردود بھی۔ اور یہ کیسی سفارش ہے جس میں ایک بھی بڑھ جائے تو قبول کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مدارس اور دین کی حفاظت ہوتی ہے الیکشن کی سیاست میں ہونے کی وجہ سے، جواباً کہا گیا کہ امریکہ، یورپ اور انڈیا میں بہت سے مدارس کام کر رہے ہیں اور جیتنا وہاں پر دین پر عمل ممکن اتنا ہی یہاں بھی ہے، اس میں سیاسی اثر ورسوخ کا کوئی حصہ نہیں۔ اس کا حل یہ پیش کیا گیا کہ ہزاروں مدارس و مراکز، خانقاہوں میں بہت ایمان والے موجود ہیں ان کو کی طاقت ہے بہت ہے۔ آپ کے پس علم و فتوے کی طاقت ہے، دعوت و جہاد جو نبی طریق انقلاب ہے اس کے ذریعے اس کو بدلیے۔[135]

مندرجہ بالا مضمون کی تائید یا ممکن ہے کے ابو معاذ کرنیؒ کی تالیف 'حقیقت جمہوریت' کے مخلص کے طور پر لکھی گئی ہو۔ اس کتاب میں بھی ان دینی جماعتوں جو انتخابی سیاست کے ذریعے اسلام کا نفاذ چاہتیں ہیں، کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ منہج نبوی ﷺ یعنی 'دعوت وجہاد' کی طرف لوٹیں اور اپنی صلاحیتوں کو درست سمت میں لگائیں۔[136]

2.2.3.2.2 تحریک یا احتجاجی طریقہ کار:

اس طریقہ کار کی حامی جماعت جس کے اساسی لائحہ عمل میں یہ بات شامل ہے کہ ایک خاص تیاری اور تعداد حاصل کر لینے کے بعد تحریک برپا کی جائے گی۔

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر صاحب اپنی کتاب 'عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج' پاکستان میں مذہبی رجحانات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور نافذ اسلام کے مختلف طریقوں کے حوالے سے تحقیق کی گئی ہے۔ اس میں تین طریقوں کے حوالے سے قدرے تفصیل بیابن کی گئی ہے۔ پہلا طریقہ تکفیری سوچ کی غمازی کرتا ہے کہ جس میں پہے مسلمانوں کی ان کیے اعمال کی بنا پر تکفیر کی جائے اور پھر اسلحہ کے ذریعہ اسلام کو غالب کرنے کی کوشش کرنا ہے، اس میں صوفی محمد صاحب کی تحریک طالبان کا

---

[135] نور الدین محمود، انتخابات سے دور رہیں اپنا ایمان بچائیں، ص 7-1

[136] ابو معاذ کرنی، حقیقت جموریت، الموحدین اسلامی لائبرری، ص 84

ذکر ہے کہ بالآخر وہ اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ ان کا منہج یہاں کار گر نہیں ہے۔ دوسرا منہج بذریعہ اصلاح و دعوت کو بیان کیا گیا، سلفی حضرات کی اکثریت اس بات کہ قائل ہیں کہ وعظ و نصیحت ہماری ذمہ داری ہے، عمل حکمرانوں کے ذمہ ہے۔ تیسرا موقف پرامن تحریک کا بیان کیا گیا جس کی تاریخی حثیت اور عصر حاضر میں اس سے قابل عمل ہونے کی وضاحت کی گئی۔ نتائج کے طور پر آخری بات یہ درج کی گئی کہ نفاذ شریعت کا اس سے موثر بہترین ذریعہ کوئی اور نہیں۔ پرامن احتجاجی تحریک کے ذریعے ممکن ہو سکتا ہے۔ جس میں منظم اور تربیت یافتہ افراد کی کطلوبہ تعداد کے ساتھ لانگ مارچ، مظاھرے، دھرنے، کانفرنسس، سیمیناز شامل ہیں۔ اس پر مزید اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 255 پر لکھتے ہیں کہ :

'احتجاجی سیاست کے اس طریقہ کار کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ جمیع مسالک اور مکاتب فکر کے علماء اور اسلامی اور جہادی تحریکیں، 22 نکات اور قرارداد مقاصد کی روشنی میں بہت بڑی عوامی احتجاجی تحریک کی بنیاد رکھیں۔ جس کا منشور نظام عدل کا قیام اور ظلم کا خاتمہ ہو۔ یہ تحریک اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب اس میں اخلاص عمل، رضائے الٰہی اور اخروی نجات جیسے مقاصد پیش نظر ہوں۔ اگر تو متفرق مسالک، مذہبی جماعتوں اور اسلامی تحریکوں کا اس احتجاجی تحریک میں شمولیت کا مقصد وزارتوں کی بندر بانٹ میں اپنا حصہ لینا اور اقتدار کی بہتی گنگا میں اپنے ہاتھ دھونا ہو گا تو پھر ایم ایم اے (متحدہ مجلس عمل) کا سر حد میں لایا ہوں اسلام سب کے سامنے رہنا چاہیے۔۔۔ اس تحریک کی ضرورت ایسے نوجوان ہیں جو جو مذہبی فرقہ بندی اور جماعتیں تعصب سے بالاتر ہوں۔[137]

سابق امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کا ایک مقالہ جو ماہنامہ میثاق، لاہور کی ایک خصوصی اشاعت بسلسلہ دعوت فکر اسلامی مہم، اکتوبر 2019ء میں چھپا۔ یہ مقالہ 18 ستمبر 2017ء کو ملی یکجہتی کونسل کی مجلس قائدین کے ایک اجلاس جو ٹوپاز بینکوئٹ ہال، جوہر ٹاون، لاہور میں تنظیم اسلامی کی میزبانی میں منعقد ہوا، میں پیش کیا گیا۔ اس کا اصل مضمون اسلامی جماعتوں جو انتخابی سیاست میں شامل تھیں کو دعوت فکر دی گئی کہ منظم اور پرامن عوامی تحریک کے راستہ سے نفاذ دین کے لیے کوشش کی جائے۔

اس میں پہلے یہ بتایا گیا کہ اسلامی جماعتیں چھوٹے چھوٹے مسائل اور مقاصد کیلئے جمع ہوتی رہی ہیں، لیکن ایک بڑے مقصد نفاذ دین کے لئے کیوں جمع نہیں ہوتی۔ جبکہ پاکستان کی 96 فیصد آبادی مسلمان ہیں۔ پھر یہ کہ اس وقت پاکستان مسائل کی آماج گاہ بنا ہوا ہے۔ ان میں فرقہ واریت، نسلی، لسانی اور صوبائی جتھے بندیاں اور آزادی کہ تحریکیں، خودکش حملہ جیسے مسائل اللہ کی طرف

---

[137] ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، عصر حاضر میں تکفیر خروج جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج، مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاھور، 2013ء، ص 255

سے ہم پر عذاب کی صورت میں برس رہے ہیں۔اس سے قبل مشرقی پاکستان الگ ہو چکا ہے۔یہ سب اس لیے کہ ہم نے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اور اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا۔اسلام کا نافذ کرنا حکمرانوں کے ذمے ہے لیکن اگر وہ ذمہ داری ادا نہ کریں تو رجال دین کے ذمہ ہے کہ وہ منکرات کے خلاف جہاد باللسان کریں اور عوام الناس میں منکرات کے خلاف بھرپور ذہن سازی کریں۔انتخابات میں حصہ لینے والی جماعتوں سے اس حوالے سے کہا گیا کہ 70 سال کی مسلسل ناکامی اور ایم ایم اے کے تجربے کے بعد بھی اس راستے سے کوئی کامیابی کا امکان ہو سکتا ہے! اس پر ڈاکٹر صاحب کے مجوزہ طریقہ کار کے حوالے سے بتایا گیا کہ الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت والے راستے کی ناکامی کے عوامی تحریک کے علاوہ کوئی مناسب راستہ نہیں ہے۔اس پر ایران کی مثال دی گئی کہ شہنشاہ ایران کو تحریک مقابلے میں ملک بدر ہونا پڑا۔اسی طرح سے 1974ء انٹی قادیانی موومنٹ اور 2012ء میں تحفظ ناموس رسالت کی تحریک کی مثالیں پیش کیں۔اس طریقہ کار کی تائید میں حلقہ دیوبند کے اکابر کے ایک اہم اجلاس جو اپریل 2010ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور، میں منعقد ہوا، کہیں دن جاری رہا۔ جس کے پیش نظر ملک کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر غور و فکر تھا۔اس غور و فکر کے نتیجے میں ایک متفقہ اعلامیہ جو 'متفقہ تشخیص' کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع کیا گیا، حوالے سے بیان کیا گیا کہ پاکستان میں جو بگاڑ اور زوال وانحطاط بدامنی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ کے عطا کردہ اس ملک میں اللہ کے دین اور محمد ﷺ کے عطا کردہ نظام کو قائم اور غالب نہیں کیا۔ جس پر تمام علماء نے بھی اس پر زور دیا کہ تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے مقاصد پر نفاذ شریعت کے مطالبے کو اولیت دیں اور حکومت وقت پر دباؤ ڈالیں، اور اس غرض کے لیے مؤثر مگر پُرامن جدوجہد کا اہتمام کریں، جبکہ عوام کا فرض ہے کہ جو جماعتیں اور ادارے اس مقصد کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، ان کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔ حافظ صاحب نے کہا ڈاکٹرؒ صاحب اس ہی طرف پچھلے 37 سال لوگوں کو بُلا رہے ہیں، جو اکابر دیوبند نے اعلامیہ جاری کیا ہے۔[138]

آخر میں پاکستان کے آئین میں اللہ کو حاکم تسلیم کیا گیا، دستور کی دفعہ 22 کے مطابق ملک میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی، تمام مسالک کے چوٹی کے 31 علماء کے متفقہ 22 نکات اور اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ جس مین مسلکی اختلافات کا بیس سال پہلے مکمل طور پر حل پیش کر دیا جا چکا ہے، کا بیان کیا گیا کہ شریعت کی تنفیذ کے پاکستان بیت سازگار ہے۔

---

[138] ڈاکٹر اسرار احمد، ماہنامہ میثاق لاہور، اکتوبر 2019ء، ص 123- 113

خلاصہ مبحث:

- پاکستان ایک نظریاتی اساس پر قائم کیا گیا لیکن عوام الناس کو اس کا شعوری طور پر ادراک نہیں۔ ان کی نظر مادی ترقی پر ہوتی ہے۔
- سیاسی نظام کی اصلاح کے لیے دو طریقے ممکن ہیں۔ انتخابی اور منظّم تحریک۔
- انتخابی سیاسی اسلامی جماعتیں بھی تحریک کو مطالبات منوانے کے لیے مفید سمجھتیں ہیں۔ البتہ نظام کی اصلاح کے اس طریقہ کو نہیں اپناتی۔
- پاکستان میں اسلامی جماعتوں کا الیکشن میں حصہ لینا جائز ہے۔
- پاکستان میں سیاسی نظام اصلاح کے لیے پُر امن، منظّم اور منصوبہ بندی کے ساتھ چلائی جانے والی تحریک نفاذ شریعت کا مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔

خلاصہ کلام:

یہ تحقیق جس پر منتج ہوئی ہے ان میں چند حقائق یہ کہ کسی بھی خطہ زمین پر موجود اجتماعی نظام کو کسی نئے نظریہ کی بنیاد پر یکسر بدلنا قطعاً کوئی آسان اور معمولی کام نہیں ہے۔اس کام کے لئے بلاشبہ ایک مضبوط ٹیم ورک اور افراد کار کی نظریاتی وابستگی اور لگاؤ بہت معنی رکھتی ہے، روّیے اور عمل میں استقلال، ہر طرح سے قربانی دینے اور ہر قسم کی مخالفت کے لئے تیار ہو، امر لازم ہیں۔اس لئے کہ کسی چلتے ہوئے نظام کو چیلنج کرنا گویا کہ اس نظام کے طاقتور ترین طبقے جو اس نظام کے متولی ہوں، کو چیلنج کرنا اور انھیں ان کے عہدوں سے برطرف کرنا، یہ بات کسی بھی نظام کے پاسبان ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتے۔

خالص مادی سطح پر بھی اگر جائزہ لیا جائے تو انسان کی سب ضرورتیں، اجتماعی امن وعدل سے وابستہ ہیں۔دراصل امن وامان ہی معاشی زندگی، سماج و معاشرت کی ترقی و بہبود کا مرکزی نقطہ ہے۔ سیاسی استحکام بغیر امن وعدل کہ محال ہے بلکہ سیاسی قیادت کی کامیابی وناکامی کا اظہار بھی معاشرے میں امن اور مساوات کی فراہمی اور عملداری سے عبارت ہے۔اسلام ہر مسلمان کیلئے ناگزیر ہے، اسلام میں معیار عدل کا اصل الاصول اور عملی نمونہ خلافت راشدہ کا زمانہ ہے۔ جس میں سیاسی سطح کا عدل یہ تھا کہ انسانی مساوات کو قائم کیا گیا، جس کی رو سے قانونی سطح پر سب برابر تھے۔ حکمرانوں اور کسی طبقے کو کوئی خصوصی حقوق حاصل نہ تھے، نہ ہی پروٹوکول اور نہ فضول خرچی کی گنجائش تھی۔اسلام کے معاشی نظام کا عدل یہ تھا کہ ریاست کے ہر شہری کی بنیادی ضروریات تعلیم، رہائش، علاج، اکل و شرب اور لباس کی ذمہ دار تھی، زکوۃ و عشر کے نظام کے ذریعے دولت امراء سے لے کر غرباء میں تقسیم کی جاتی تھی۔اسلام کا عدل معاشرت نہایت متوازن اور فطری ہے، اس کی بنیادی اکائی خاندان ہے، جو ایک میں اور بیوی سے شروع ہوتا ہے۔یعنی عدل کا آغاز گھر کے اندر سے ہوتا ہے اور پڑوسیوں کے حقوق و فرائض اس کا اگلا مرحلہ اور اس کے توسیع معاشرے کو امن کا گہوارہ بنا دیتی ہے۔

اسلام بنیادی طور پر ایک نظریے کا نام ہے جو عقل محض کی حدود سے عالی و برتر ہے۔اس لیے اسلام پر عمل بھی محض مادی اعتبارات سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے کچھ روحانی تقاضے بھی ہیں۔کلام اللہ کے آغاز ہی میں اہل ایمان متقی لوگوں کی صفات کے بیان میں غیب پر ایمان لانے کا تقاضا مادیت کی نفی کرتا ہے۔اس نظریے کی رو سے دنیا میں قانونی اور مادی اعتبار سے رُسل علیہم السلام اس کے نمائندے، علمبردار، بہترین نمونہ اور پیغام خداوندی کے شارح اور تاویل کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ رسولوں کے ساتھی اور تربیت یافتہ افراد بہر صورت اس امت کے بہترین لوگ ہوتے ہیں۔اس اصول کے تحت ہماری رہنمائی کا مرکز رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی جماعت ہی ہے۔ گویا کے دیگر اقوام عالم کی طرح ہر دور میں کوئی نئی پالیسی اور لائحہ عمل کی ضرورت نہیں۔اس پر علامہ اقبالؒ نے بیان کیا ہے کہ :

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ان کی جمعیّت کا ہے ملک و نَسب پر انحصار　　قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

سیرت محمدی ﷺ کے دو ادوار میں سے مکی دور میں دعوت اور اس کے نتیجے میں ہونے والے تشدد پر صبر دو اہم خصوصیات ہیں۔ آپ ﷺ کی مدنی زندگی میں بھی دعوت کا کام برابر جاری رہا، اہل ایمان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس کے ساتھ دوسرا محاذ جہاد کا بھی جاری رہا۔ اس ساری جدوجہد کا مقصد بندوں کے درمیان عدل کو قائم کرنا تھا، جس کو قران میں بارہا بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء کو عدل قائم کرنے کی ذمہ داری تفّیض کی جاتی رہی ہے۔

عصر حاضر میں سیرت النبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سیر کی روشنی میں جو لائحہ عمل سمجھا جاسکتا ہے وہ یہ کہ خلافت راشدہ اور اس کے بعد کا دور توسیع اسلام کا دور ہے، اگرچہ اس کا منہج بھی پہلے دعوت سے اتمام حجت اور پھر جہاد ہے۔ لیکن ہمارے موضوع سے متعلق اصلاً عہد نبوی ﷺ ہے، اس لیے کہ اس مقالہ میں نظام کی اصلاح کا طریقہ کار پیش نظر ہے۔ اب مخالف حالات انفرادی حثیت سے تو بظاہر مختلف ہیں یعنی افراد کلمہ گو ہیں، اگرچہ لاشعوری طور پر ہی سہی، لیکن اجتماعی سطح پر کوئی خاص فرق نہیں مثلاً بے حیائی کا فروغ، سود اور قانونی حاکمیت غیر اللہ یعنی عوامی نمائندوں کے پاس جو اس کا استعمال اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ انفرادی آزادی اور اجتماعی طور پر سب کا مسلمان ہونا، پاکستانی معاشرے میں اسلامی نظام کی مخالفت کا تناسب قدرے کم ہوگا۔ اس نظام کو بدلنے کی آئیڈیل اور اولین صورت تو یہ ہوگی کہ ان تمام طبقات کی قیادتوں کا آپس میں اتحاد قائم ہو، جو اسلام کے قوانین غالب کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جن امور میں یہ جماعتیں متفق ہیں یعنی اسلام کی دعوت، کو بھرپور انداز میں عوام الناس میں پھیلائیں اور واضح کریں۔ جس سے غلبہ دین کی اہمیت اجاگر ہو جائے کہ اسلام محض انفرادی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اسلام انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ اس پر عمل درآمد کی ضرورت ہے، اس سے معاشرے میں اتمام حجت ہو جائے۔ مندرجہ بالا دعوتی کام اگر صحیح معنوں میں ہو سکے جو متفق علیہ ابتدائی مرحلہ انقلاب ہے تو امید کی جاسکتی ہے کہ اختلافی معاملات میں بھی کوئی درمیانی صورت پیدا ہو جائے۔ اور عین ممکن ہے کہ قیام عدل اجتماعی کی یہ منزل الیکشن سے سر ہو جائے یا بذریعہ قوت ہے و تحریک باآسانی طے ہو جائے۔

اس ضرورت کو ایک عامی بھی سمجھتا ہے کہ وحدت کسی بھی بڑے کام کے لئے لازمی ہے۔ اتحاد کے لئے پاکستان میں کوششیں بھی ہوئی لیکن عارضی اور وقتی مسائل کے لیے، نفاذ اسلام کے نام پر دھوکا تو دیا گیا لیکن عملاً اس حوالے سے کوئی ٹھوس اقدام فی الواقع نہیں ہو سکا۔ حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جائے تو دعوت کا کام جتنا بھی بھرپور ہو اسے قبول کم ہی لوگ کرتے ہیں۔ ابتداً

نبی اکرم ﷺ کی دعوت سے بھی کم ہی لوگ مسلمان ہوئے۔ ہمیشہ حق پرست کم ہی ہوئے ہیں جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بڑی جماعتوں پر فتح بھی دی۔اور

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

ترجمہ: بارہابڑی جماعت پر چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے غالب ہوئی ہے،اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

کی صورت پیدا ہوئی۔ تمام انبیاء کی زندگیاں بھی اس پر گواہ ہیں کم ہی لوگ حق کو قبول کیا کرتے ہیں۔ یہ دعوت اس لیے قبول عام حاصل نہیں کرتی رہی کہ دراصل انسان کا ماحول اس کے اعمال کا محرک ہوتا ہے،اور اگر ماحول نفسانیت پر مبنی ہو تو انسان اس کا شکار ہو گا اور اس پر مستزاد اس کا اپنا نفس اسے گمراہی پر مجبور کرے گا۔ اکثریت کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بالعموم اپنے ماحول کے مطابق ہوتے ہیں اور نفسانی خواہشات ان پر غالب ہوتیں ہیں۔ اکثر و بیشتر انسان بات کو سچ سمجھنے اور ماننے کے بعد بھی اس پر اپنے نفس یا تعصبات جو اس کے ماحول میں پائے جاتے ہیں، کی وجہ سے قبول نہیں کرتا۔ لیکن اگر حکومت نیک لوگوں کے پاس ہو اور نیکی کا پرچار ہو تو عوام بھی اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماحول برائی کے لیے سازگار ہو تو برائی عام ہو گی۔ پاکستان کی صورت حال یہ ہے عوام الناس میں زبانی طور پر غلبہ دین کی خواہش کافی عام ہے لیکن عملاً اسلام کو اپنی زندگی پر نافذ کرنے والے کم ہیں۔ پاکستان کی موجودہ صورتحال میں الیکشن جو اکثریت کے قائل ہو جانے کے بعد اقتدار حاصل ہونا اور پھر اس کے بعد قانونی رسہ کشی سے گزر کر اسلام کا نافذ کرنا، اگرچہ ناممکن نہیں لیکن انتہائی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاں تک غلبہ دین بسلاح کی بات ہے تو مسلمان معاشرے میں اس کی گنجائش جن فقہانے دی ہے ان کی اس حوالے جو شرائط مقرر کی گئیں ہیں ان کا کم از کم پاکستان کے حد تک پورا ہونا، زمانہ حال میں ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے طریقہ کار میں آئینی طور پر کوئی رکاوٹ نہیں، نہ شرعاً بھی اس میں کوئی قباحت ہے۔ یہ طریقہ کار پُر امن احتجاج کا ہے، جس میں پاکستان میں موجود کلمہ گو مسلمانوں کی جانوں کو کوئی خطرہ نہیں، البتہ تحریک میں شامل افراد کی جدوجہد کسی بھی بات پر منتج ہو سکتی ہے۔ اس طریقہ کار پر ہر جماعت عمل کر سکتی چاہے وہ انتخابی سیاست کا حصہ ہو یا نہ ہو۔ اس تحریک کی ساری تفاصیل موقع کی مناسبت سے طے ہوں، البتہ اس کے لیے اسلامی جماعتوں کی قیادت کی اکثریت کی وحدت، منظم اور باہمی تائید و تعاون کا ہونا ناگزیر ہے۔ پاکستان میں اکثر و بیشتر تحریکیں اسلامی جماعتوں نے چلائیں جو کامیاب ہوئیں۔ اس کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً نظام مصطفی کی تحریک، قادیانیوں کو کافر قرار دینے اور c-295 شق کو ختم کرنے کے خلاف وغیرہ وغیرہ

مختصر یہ کہ اندریں حالات ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا سیاسی نظام کی اصلاح کیلئے مجوزہ لائحہ عمل اس صورت میں ممکن نظر آتا ہے کہ بقیہ اسلامی عناصر تعاون کریں۔ باصورت دیگر اگر تنظیم اسلامی کو افرادکار مطلوبہ تعداد میں میسر آجائیں تو بھی امکانات روشن محسوس ہوتے ہیں۔ البتہ ڈاکٹر صاحب کی قائم کردہ جماعت کو بہت پذیرائی نہ مل سکی، اس کی ایک وجہ انتخابی سیاست میں عدم شمولیت بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے جب تک بقیہ دینی جماعتوں میں اگر ساری نہیں تو کم از کم مؤثر حد تک تائید شامل ہو جائے تب بھی اس کا قوی امکان موجود ہے کہ تحریک کے ذریعے نظام بدلہ جاسکے۔ واللہ اعلم بالصواب

نتائج مقالہ:

- ڈاکٹر اسرارؒ کے بیان کردہ سیاسی لائحہ عمل کے کل چھ مراحل ہیں۔ جو مختصراً دو ہیں، پہلا یہ کہ ایک نظریہ کی بنیاد پر منظم جماعت سازی اور دوسرے منظّم تحریک۔
- پہلے مرحلہ بنیادی طور پر جماعت سازی کا ہے۔ جو نظریہ توحید کو اس طور پر قبول کرے کہ جملہ انفرادی واجتماعی زندگی میں قرآن و سنت کو بالا دست مانے، اسی نظریہ کی بنیاد پر تربیت ہو یعنی جب وہ معاشرے میں اس کی دعوت دیں تو مخالفت کے مقابلے میں صبر واستقامت ثابت کریں۔ یہ چار مراحل نظریہ اور اس کی دعوت، تنظیم سازی، تربیت اور صبر محض دراصل مساوی ہیں، گویا یہ زمانی اعتبار سے پہلا مرحلہ ہے۔
- دوسرا مرحلہ یہ جماعت تربیت یافتہ افراد جو توحید پر شعوری طور پر کاربند ہوں مہیا کرلے جن کی متعلقہ معاشرے میں ایک قابل لحاظ تعداد ہو جائے۔ تو ایک بھرپور منظّم عوامی تحریک برپا کی جائے۔ جس کے مطالبات سیاسی سطح پر اللہ کی حاکمیت کو عملاً نافذ کرائے مطلب یہ کے تمام قوانین قرآن وسنت کے تحت ہوں اور اسلامی نظام عدل اجتماعی غالب ہو۔ معاشرتی سطح پر مساوات کا قیام اور بے حیائی کا خاتمہ ہو۔ معاشی سطح پر زکوۃ کے نظام کا قیام اور سود، جوّا، سٹہ اور تمام حرام کمائی کے راستے بند کروائے جائیں۔
- پاکستان کے آئین میں درج قرار داد مقاصد اقتدار اعلیٰ اللہ یعنی قرآن وسنت کو قرار دیا گیا ہے، اسلامی نظام عدل اجتماعی، بین الانسانی مساوات اور جمہوریت بمعنی شورائیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس لیے منظّم تحریک کے ذریعے اسلام کو پاکستان میں سیاسی طور پر نافذ کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں بذریعہ الیکشن کے ذریعہ دعوتی کام ہو سکتا ہے لیکن پورا طرح سے سیاسی نظام کی اصلاح محال ہے، اس پر اسلامی سیاسی جماعتوں کی تاریخ گاہ ہے اور بذریعہ سلاح سیاسی نظام کی اصلاح یا تبدیلی کا کوئی امکان ممکن نہیں۔
- ڈاکٹر اسرار احمدؒ پاکستان میں نفاذ اسلام کے خواہاں تھے جس کے لیے انھوں نے ایک جماعت (تنظیم اسلامی) کی بنیاد ڈالی، جو تاحال قائم ہے۔ ان کا منہج بقیہ اسلامی جماعتوں سے آخری مرحلہ میں مختلف ہے، وہ تحریک کے ذریعے اسلام کا غلبہ سرزمین پاکستان میں کے قائل تھے۔ قبل ازیں تحریکات نظام مصطفیٰ کی تحریک، قادیانیوں کو کافر دینے وغیرہ
- پاکستان میں آغاز ہی سے قیادت نفاذ شریعت کے حوالے سے سست رہی، البتہ عوام کا مذہب سے لگاؤ اور مذہبی عناصر سے قیادت کی کشاکش یا جمہوری روایات کے نتیجے میں اقدامات اسلام کے مطابق بھی ہوتے رہے ہیں۔
- قیام پاکستان کا اہم ترین محرک اسلام ہے اور اس لیے اس کا استحکام بھی اسلام سے وابستہ ہے۔ نظام سیاست انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اثرانداز ہوتا ہے اور قوموں کے عروج یا زوال کا باعث بنتا ہے۔

- اسلامی سیاست میں حاکمیت کُلی اللہ عزوجل کی ہے اور سیاست کا مقصد انسانوں کے درمیان عدل وانصاف کو قائم ونافذ کرنا ہے۔اس نظام قیام نماز وزکوۃ، نیکی وبھلائی کا حکم اور منکرات وبرائی سے روکنے کی تاکید ہے، جو حقیقی مقصد حیات یعنی نجات اُخروی کا تحفظ اور یاددہانی کراتا ہے۔
- جمہوریت طرز حکومت کے اعتبار سے اور وطنیت Nationalism نظریہ کے اعتبار سے اس دور کی سیاست کے اصل الاصول ہیں۔
- مسلمان میں سے وہ جو اسلام کو بطور سیاسی نظریہ بھی تسلیم کرتے ہیں، ان کے خلاف تمام تر کفر یکجا ہے اور اس نظریہ اسلام یعنی مسلمانوں کو ختم کرنے پر سب کا اتفاق ہے۔
- اسلام کل انسانیت کے لیے ہے اور اب انسان اتنا ترقی یافتہ ہو چکا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ایک مشترکہ لائحہ عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ جس کو عصر حاضر میں نیو ورلڈ آرڈر (New World Order) کہا گیا ہے۔

سفارشاتِ مقالہ:

- اس حوالے سے حکومتی سطح پر کام کی ضرورت سمجھی گئی ہے یا اس تحقیقی کام کیا جائے کہ اسلام میں وحدت کیسے ممکن ہے یا اس کے کیا ممکنات ہیں؟ اس بات کے پیش نظر کے اختلافات کے ہوتے ہیں اور یہ کسی ترقی پسند معاشرے کا رجحان ہوتا ہے۔
- حکومت پاکستان کی قیادت کو چاہیے کہ بطور مسلمان حکمران اپنی آئینی ذمہ داری ادا کریں، اس پر مستزاد قیام پاکستان کا اساسی محرک نظریہ اسلام ہے، پاکستان کی (۹۰) نوّے فیصد سے زائد آبادی مسلمان ہے اور آئین پاکستان میں واضح طور پر شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی ذمہ داری بھی حکومت کی ہے کہ وہ اسلام کے قوانین کے تحت پاکستان کی حکومت کو قائم کریں۔
- پاکستان میں موجود دینی جماعتوں اور تحریکوں کو چاہیے قیام اسلام کے لیے رواداری کی عملی صورت پیدا کریں۔ بالخصوص اسلامی جماعتوں کو اس حوالے سے باقاعدہ طور پر لائحہ عمل طے کرنا چاہیے کہ عوام الناس تک وحدت کا پیغام پہنچایں اور یہ ناگزیر ہے، اس کو اپنے منشور میں شامل کریں۔ اس حوالے سے جو کمیٹیاں یا کونسلز قائم ہیں ان کو مؤثر کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً ملی یکجہتی کونسل وغیرہ
- پاکستان کی دینی قیادت اور اسلامی سکالرز کو چاہیے کہ وہ سیرت النبی ﷺ پر طریق نفاذ اسلام کے پہلو سے اس پر تحقیقی کام کریں جو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگی کی عملی کو صورت واضح کرے۔
- علمائے کرام کو چاہیے کے مسلکی اختلافات سے بالا تر ہو کر عوام الناس میں بڑے بڑے منکرات کے خلاف آگاہی پیدا کریں۔ اگر دعوتی کام صحیح معنوں میں تب ہی ہو سکے گا جب متفق علیہ معاملات پر عوامی اکثریت جمع ہوں۔ یہی قیام عدل اجتماعی کا ابتدائی مرحلہ یعنی اصلاح معاشرہ یا دعوت ہے جو وحدت کا ذریعہ ہے۔ اسی بنیاد پر الیکشن، تحریک سے اصلاح سیاسی ممکن ہے۔
- ڈاکٹر صاحب کی قائم کردہ جماعت کو بہت پذیرائی نہ مل سکی، اس کی ایک وجہ انتخابی سیاست میں عدم شمولیت بھی ہو سکتی ہے۔ کسی اسلامی سیاسی جماعت کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کی تائید کریں۔

فہرست آیات:

نمبر شمار	آیات	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلآئِكَةِ اِنِّيْ جاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕقَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕقَالَ اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	البقرة	30	30
2	اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ	ال عمران	26	30
3	رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا	النسا	165	35
4	ۚاَلَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ	الاعراف	128	32
5	وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ	الاعراف	137	33
6	هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّيْنِ كُلِّهٖ	التوبہ	33	31, 67
7	اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا	بنی اسرآئیل	78	58
8	وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ	الانبیآء	107	69
9	اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ	الحج	41	33
10	وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ	النور	55	33

11	يَا دَاوٗوْدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ	ص	26	32
12	وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ ۖ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۖ	الشّورى	15	31
13	وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ	الشّورى	38	112
14	هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	الفتح	28	31, 67
15	اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ () وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ	الرحمٰن	8-9	32
16	لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ	الحديد	25	31
17	هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	الصف	9	31, 67

فہرست احادیث:

نمبر شمار	متن حدیث	کتاب حدیث	صفحہ نمبر
1	اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِالْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا!	الصحیح البخاری	59
2	عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِى الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لاَّ نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِى اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ	الصحیح البخاری و الصحیح المسلم	58
3	كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمْ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ	الصحیح البخاری	34
4	لَنْ تَغْزُوْكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ	الصحیح البخاری	59
5	لياتين علٰى امتى ما اتٰى علٰى بنى اسرائيل حذو النعل بالنعل	سنن ترمذی	23
6	مَنْ اَطَاعَنِى فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِى فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَنْ اَطَاعَ اَمِيْرِى فَقَدْ اَطَاعَنِىْ وَمَنْ عَصٰى اَمِيْرِى فَقَدْ ,	الصحیح البخاری	59

مصادر و مراجع:

ترجمہ القرآن المجید:

- احمد علی، قرآن عزیز، انجمن خدام الدین دروازہ، شیر انوالہ، لاہور، ۱۹۹۹ء

کتب حدیث:

- ترمذی، محمد بن عیسی، السنن (بیروت، دار الغرب الإسلامی، 1998ء)
- امام بخاری، عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفیؒ، **الجامع الصحیح**، (ریاض: دار السلام ۱۴۱۲ھ)

شروحات حدیث:

- النووي، يحيى بن شرف الحوراني النووي (ت: 676ھ/1278م)- **شرح صحیح مسلم (المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج)**، بیروت، دار إحیاء التراث، ط2، 1392ھ، ج12

کتب سیرت:

- شبلی نعمانیؒ/سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی ﷺ، ادارہ اسلامیات پبلشرز، ستمبر 2002ء، طبع دوم، ج ہفتم
- ابن کثیر، ابواء عماد الدین ابن کثیرؒ، **سیرۃ النبی ﷺ**، ناشر: ابو بکر قدوسی، اکتوبر 1996ء

کتب لغات والتعریفات ولاصطلاحات والتاریخ والفقہ:

- الفيومي، أحمد بن محمد بن علي الفيومي (ت: 770ھ/1368م)، **المصباح المنير**، بیروت، المكتبة العلمية، ج2
- مقريزي، تقي الدين أحمد بن علي بن عبد القادر (ت: 845ھ/1441م)، **المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار**، بیروت، دار الكتب العلمية، ط1
- عبدالرحمان ابن خلدون (م: 1406ء)، **تاریخ ابن خلدون**، دار الفکر، بیروت لبنان، ج2
- بوالبقاء عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ العکبری البغدادی محب الدین (م: 616ھ)، شرح دیوان المنتہی، (دار المعرفۃ، بیروت)، ج3
- ابن تیمیۃ، **مجموع الفتاوی**، المدینۃ المنورۃ، مجمع الملک فھد، 1416ھ/1995م، ج28
- لآمدي، أبو الحسين علي بن أبي علي بن محمد الثعلبي الآمدي (ت: 631ھ)، **الإحكام في أصول الحكام**، بیروت، المكتب الإسلامی، ج1

- ابن نجیم، زین الدین بن إبراھیم بن محمد (ت: 970ھ/ 1563م)، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**، دار الکتاب الإسلامی،
ط2، ج5

اردو کتب:

- اسرار احمد، **سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری**، [شعبہ دعوت تنظیم اسلامی، مئی 2015]
- اسرار احمدؒ، **تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر**، [ناظم واشاعت تنظیم اسلامی، جون 2005]
- اسرار احمدؒ، **خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام**، [ناظم نشر واشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2013، طبع ہفتم]
- اسرار احمدؒ، **موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل**، [مکتبہ خدام القران لاہور، طبع چہارم، 2011]
- ارشد جاوید، **مسلمانوں کا ہزار سالہ عروج**، (شرکت پرنٹنگ پریس، نسبت روڈ، لاہور۔ طبع اول)، نومبر 2010
- اسرار احمد، **استحکام پاکستان**، ناظم نشر واشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2022ء، طبع 11
- اسرار احمد، **منہج انقلاب نبوی ﷺ**، ن اظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
- سیدہ مسعودہ نعیم شاہ، **عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں**، نومبر 2013ء، میٹرو پرنٹرز، لاہور
- اسرار احمد، **اسلام اور پاکستان تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر**، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2018ء، طبع دوم
- تنویر بخاری، **پاکستان میں سیاسی جماعتیں اور پریشر گروپ**، ایور نیو بک پیلس، لاہور
- اسرار احمد، **علامہ اقبال، قائد اعظم اور پاکستان**، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2007ء، طبع دوم
- اسرار احمد، **دعوت رجوع الی القرآن کا منظر اور پس منظر**، ناظم مرکزی انجمن خدام القرآن، لاھور، 2001
- اسرار احمد، **تنظیم اسلامی کی دعوت**، شعبہ تعلیم و تربیت تنظیم اسلامی، 2018ء
- مستفیض علوی، **ریاست و حکومت کے اسلامی اصول**، پورب اکادمی اسلام آباد، 2010ء
- محمد شفیع، **وحدت امّت**، طارق اکیڈیمی، 2004ء، آصف پرنٹرز لاہور

- اسرار احمد، **مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی**، ناظم مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، 2003ء
- اسرار احمد، **بصائر**، مکتبہ انجمن خدام القرآن لاہور، 2006ء
- سید ابوالحسن علی ندوی، **مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش**، مجلس نشریات اسلام کراچی
- وسیم احمد، **تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار**، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، جمال پور، علی گڑھ، 2015ء
- سید مودودی، **تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل**، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، 2007ء
- نورالدین محمود، **انتخابات سے دور رہیں اپنا ایمان بچائیں**، ناشر دارالامام ابی حنیفہ، لاہور
- ابو معاذ کرنی، **حقیقت جمہوریت**، الموحدین اسلامی لائبریری، لاہور
- محمد زبیر، **عصر حاضر میں تکفیر خروج جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج**، مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور، 2013ء

ویب سائٹس:

- https://www.un.org/en/about-us#:~:text=The%20UN's%20Membership%20has%20grown,recommendation%20of%20the%20Security%20Council
- **THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN,** Preamble, **[**12TH APRIL, 1973], (As amended up to the 25th Amendment, 31st May, 2018), Link address: https://na.gov.pk/uploads/documents/1333523681_951.pdf

تھیسیز:

- BASIC PRINCIPLES OF SİYASETU'Ş-ŞER'İYYE (**ISLAMIC ADMINISTRATIVE LAW**), Dr. Instructor Member Ayman Haroush Ağrı İbrahim Çeçen University Faculty of Islamic Sciences orcid.org/4281-0252-0003-000 Dr.haroush@hotmail.com Citation: HAROUSH, Ayman, Received: 23 October 2020 Accepted: 15 December 2020 © 2020 AGİID All Rights Reserved

- مجیب الرحمان، **سید جمال الدین افغانی اور مولانا عبید اللہ سندھی کے تصور انقلاب کا تقابلی جائزہ**، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، 2007-2002
- محمد خالد شفیع، خلافت واحیائے تحریک خلافت (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)، نمل یونیورسٹی اسلام آباد، دسمبر 2013ء

آرٹیکلز:

- Valeri MODENADZE, **The Term Politics Reconsidered in the Light of Recent Theoretical developments**, IBSU Scientific Journal (IBSUSJ), International Black Sea University, Tbilisi, Vol. 4, 2010, pp39-44
- William L. Richter, **The Political Dynamics of Islamic Resurgence in Pakistan, *Asian Survey***, Vol. 19, No. 6 (Jun., 1979), Published by: University of California Press
- اسرار احمد، ماہنامہ میثاق لاہور، اکتوبر 2019ء